بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرتِ معصومین علیہم السلام

از

حجۃ الاسلام

سید غلام عباس رضوی

زہراءؑ اکادمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرتِ معصومین علیہم السلام

از

حجۃ الاسلام

سید غلام عباس رضوی

maablib.org

ZAH… CENTER
G-2 … ES

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرتِ معصومین علیہم السلام

از

حجۃ الاسلام

سید غلام عباس رضوی

زہراء اکادمی

maablib.org

الذی علم بالقلم

کتاب کا نام .... سیرتِ معصومین علیہم السلام

مؤلف حجۃ الاسلام سید غلام عباس رضوی

کمپوزنگ زہرا (س) اکادمی کراچی

ناشر .... زہرا (س) اکادمی کراچی

تاریخ اشاعت .... ۲۰/صفر المظفر ۱۴۲۰ ہجری قمری

تعداد ۲۰۰۰

دوسری اشاعت .... رجب المرجب ۱۴۲۱ ہجری

تعداد ۱۰۰۰

جملہ حقوق محفوظ

فہرستِ مضامین

☆ سیرت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ۹

۱۔ اصلاح وتربیت ۱۰

۲۔ آنحضرتؐ کے کلام کی گہرائی ۱۰

۳۔ سیرت کے معنی ۱۳

سیرتِ معصومینؑ اور حقائق ۱۶

۴۔ چند واقعات کی روشنی میں رسولؐ کی سیرت ۱۷

آنحضرتؐ کے فرزند کی وفات اور سورج گرہن ۱۷

بت پرستی کی اجازت ۲۱

☆ اسلام کی نظر میں انسان کا مقام ۲۳

صحابیٔ رسولؐ کا واقعہ ۲۳

رسولؐ کا فرمان مشکل کا حل ۲۵

انسان کی خودداری ۲۸

قدرت کا قانون	۳۰
☆معصومینؑ کی زندگی اور اسلامی مفاہیم	۳۳
اسلام میں اقتصاد کی اہمیت	۳۵
مومنین کی مضبوطی اسلام کی مضبوطی	۳۶
☆حضرت علی علیہ السلام کی سیرت	۳۹
حضرت علیؑ مطیعِ رسولؐ	۳۹
اسلام شناسی میں پوری جدوجہد اور دلی لگاؤ	۴۰
علمِ امامؑ کی تائید	۴۲
علی ابنِ ابی طالبؑ ہمیں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟	۴۲
محبت کے تقاضے	۴۴
معرفت، رابطہ مضبوط ہونے کا سبب	۴۵
نتیجہ	۴۶
☆حضرت علیؑ اور معاشرے کی ہدایت	۴۸
علیؑ کی مظلومیت	۴۸
احتجاج انسانیت کی نشانی!	۴۹
اسلام کی بقاء	۵۱
فتنہ و فساد کے بغیر حق کا بیان	۵۱
☆حضرت علیؑ کی پانچ سالہ حکومت اور مشکلات	۵۴
چوٹ کھائے ہوئے لوگ	۵۴

ایک صالح اور غیر صالح سیاستداں میں فرق	۵۵
حق کا اثبات	۵۶
بگڑے ہوئے مزاج	۵۷
فریضہ کی ادائیگی	۵۸
شکست یا کامیابی الٰہی فریضے کی انجام دہی میں کوئی معنی نہیں رکھتی	۶۰
حضرت امیر المومنینؑ کے دوران حکومت میں بنیادی اصول	۶۳
فکری جمود ایک سماجی مصیبت	۶۴
اسلام ایک متحرک نظام اور زندہ فکر	۶۸
خوارج کی کج فکری	۷۱
خوارج کی مقدس مآبی	۷۲
قرآن و اہلبیتؑ سے فکری و عملی روابط کی ضرورت	۷۵
حق و باطل کی پہچان	۷۷

maablib.org

سیرتِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ اپنی اصلاح اور تربیت کے لئے سب سے زیادہ معتبر ذریعہ ؟

۲۔ آنحضرتؐ کے کلام کی گہرائی، اس کو محفوظ رکھنا اور دوسروں تک پہنچانے کی اہمیت ؟

۳۔ سیرت کے معنی اور سیرت عملی سے ہم کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں ؟

۴۔ چند واقعات کی روشنی میں رسول خداؐ کی سیرت عملی کی ایک جھلک

۱- اصلاح وتربیت

ایک مسلمان کے لئے اپنی اصلاح اور تربیت کے لئے سب سے زیادہ معتبر اور قابلِ اعتماد ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہو رہا ہے :

" لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة "

(سورۃ احزاب ۳۳/ آیت ۲۱)

" یقیناً خدا کے رسولؐ تم سب کے لئے بہترین نمونہ عمل ہیں"۔

یہاں پر نہ تو آپ کے کردار کو کسی خاص زمانے سے مخصوص کیا گیا ہے اور نہ کسی خاص قوم سے بلکہ سرکار رسالتؐ تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر قابلِ پیروی اور آپ کا عمل تاقیامت انسان کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

۲- آنحضرتؐ کے کلام کی گہرائی

انسان فطری طور پر اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پوری کوشش اس بات پر صرف کرتا ہے کہ اچھی سے اچھی اور معیاری مصنوعات فراہم کرلے۔ جب لوگ روزمرہ زندگی کی اشیاء کے بارے میں اتنی جدوجہد کرتے اور پوری احتیاط سے کام لیتے ہیں تو یقیناً فکری اور روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے غیر معمولی جستجو کرنے، اور ہاتھ پیر مارنے کی ضرورت ہے کیونکہ جسمانی بیماری اور موسمی بخار اگر

انسان کے بدن پر ایک سال تک اپنے اثرات چھوڑ جاتا ہے تو روحانی اور فکری بیماری انسان کے عقیدہ اور انداز فکر پر اپنا اثر اس حد تک رکھتی ہے کہ بعض دفعہ ایک پورے معاشرے کے نظام کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اور بعض دفعہ بات اس سے کہیں زیادہ آگے بڑھ جاتی ہے اور نسل در نسل وہ بیماری انسانی اقدار کی جڑوں کو کھوکلا کر جاتی ہے مثال کے طور پر مغربی معاشروں میں عورت کی آزادی کے تصور کے بارے میں عوام کے ذہنوں میں ایک غلط تصور اور عقیدہ بنا دیا گیا جس کا سلسلہ نسل در نسل جاری ہے لہٰذا فکری اور روحانی ضروریات کے لئے انسان کو ایک ایسا معتبر ذریعہ اور قابل اعتماد مرکز کی ضرورت ہے۔ جس کے بارے میں وہ جانتا ہو اور عقیدہ رکھتا ہو کہ جو بات اس مرکز اور اس ذریعہ سے مجھ تک پہنچے گی اس میں غلطی یا بھولنے کا ذرہ برابر بھی امکان نہیں ! تاکہ زندگی کے نظریئے کے بارے میں انسان گمراہ نہ ہونے پائے۔

رسول خداؐ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ "وہ معصوم ہیں اور بااختیار ہونے کے باوجود ممکن نہیں کہ کسی بھی قسم کی کوئی غلطی ان سے سرزد ہو" اس بات کی تصدیق خداوند باری تعالیٰ اپنی عظیم کتاب "قرآن مجید" میں اس طرح فرمارہاہے :

"وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحیٰ"

(سورۃ النجم ۵۳/ آیت ۳، ۴)

" وہ (میرے رسولؐ) اپنے جی سے کوئی بات نہیں کرتے بلکہ صرف اور صرف وہی بات دہن مبارک سے نکالتے ہیں جو خدا نے چاہی ہو"

اور جب اس وسیلے کی صداقت خدا جیسی ہستی نے صاف الفاظ میں بیان فرمادی تو یہ ہمارے لئے قابل اعتماد اور عمل کے قابل ہے اسی لئے رسالت مآبؐ تاکید فرماتے ہیں کہ ان کے کلام و سخن کو پوری احتیاط سے محفوظ کرلیا جائے اور دوسروں تک پوری امانتداری کے ساتھ پہنچادیا جائے ملاحظہ کیجئے:

" نضر اللّٰہ عبدا سمع مقالتی فوعاھا و بلغھا من لم یسمعھا فربّ حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ "

(سفینۃ البحار، ج۱/ ص ۳۹۲)

" خدا خوش و خرم رکھے جس نے میرا کلام سنا پھر اسے ذہن نشین کرلیا اور پھر اسے (بغیر کم وکاست کے) ان لوگوں تک پہنچادیا جنہوں نے اسے نہیں سنا تھا کیونکہ (لوگوں میں دو گروہ ہیں) کچھ لوگ قیمتی اور سمجھداری کی باتیں اپنے ذہنوں میں ذخیرہ کئے پھرتے ہیں لیکن خود بہت زیادہ عقل و فہم نہیں رکھتے جبکہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن تک یہ قیمتی علوم نہیں پہنچ سکے لیکن یہ لوگ فہم وادراک کے لحاظ سے زیادہ باصلاحیت ہیں"

لہٰذا آپؐ تاکید فرماتے ہیں کہ یہ امانت ایسے باصلاحیت لوگوں تک

پہنچ جائے جو دوسروں سے زیادہ عاقل اور باریک بین ہیں تا کہ معاشرے کو رسول خداؐ کے مقاصد سے زیادہ بہتر طور پر آگاہ کر سکیں اس سے جو ایک اہم نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ کہ کوئی انسان اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جو بات وہ قرآن و حدیث سے سمجھتا ہے اور سمجھ رہا ہے ، صرف وہی آخری بات ہے بلکہ رسول خداؐ کے مذکورہ بالا کلمات مبارک سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ عین ممکن ہے آئندہ ایسی قومیں خدا خلق کرے جو گذشتہ قوموں سے زیادہ اسلام کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں اسی لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا رہنا لازم اور واجب ہے تا کہ پورے معاشرے کے دانشمندوں کی علمی و فکری کاوشوں کے ملاپ اور جمع آوری سے حقیقت کے جتنا نزدیک ہونا ممکن ہو، اتنا نزدیک ہونے کی بھر پور کوشش کریں۔

۳۔ سیرت کے معنیٰ

یہ عربی کا لفظ ہے اور سیر سے لیا گیا ہے۔ سیر کے معنیٰ "حرکت"، "چلنا" اور "راستہ چلنے" کے ہیں اور "سیرہ" یعنی "راستہ چلنے کا طریقہ اور انداز"۔

سیرت عملی کے حوالے سے ہمارے لئے اہم بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی سیرت کو جانیں یعنی "ان کے عمل کرنے کا اسلوب اور انداز کیا تھا، نہ یہ کہ ہم آپ کی سوانح حیات اور تاریخ جانیں کہ وہ کب

پیدا ہوئے، والدین کون تھے وغیرہ وغیرہ یہ تمام موضوعات سیرتِ عملی کے موضوع میں نہیں آتے، ہمیں یہ جاننا ہے کہ ان کا زندگی کے مختلف شعبوں میں، مختلف حالات میں، مختلف افراد سے، مختلف مسائل میں گفتگو کا طریقہ کیا تھا؟ اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں کن ذرائع کو اپنے استعمال میں لاتے تھے آیا لوگوں کو ڈرا دھمکا کر مسلمان کرتے تھے یا خوشخبری سنا کر ملائمیت، بخشش اور درگزر کے ذریعے دوسروں کو غفلت سے بیدار کرتے! زیادہ تر گفتار پر انحصار کرتے تھے یا اپنے کردار سے انسانوں کو جہالت سے ہدایت کی طرف بلاتے تھے؟ آنحضرتؐ اور آئمہؑ کے بہت سے دشمن تھے اور بہت سے دوست تھے اور ان میں بہت سے لوگ اپنی دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور اسی طرح دوست، اپنی دوستی میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے! ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ آئمہؑ اور رسول اکرمؐ کے نزدیک دوستی اور دشمنی کا معیار کیا تھا، کیا جو محمدؐ وآل محمدؐ کی مال و دولت سے مدد کرتا تھا وہ ان سے دوستی کرتے تھے؟ چاہے وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں! کیا یہ معیار رفاقت تھا اور کیا وہ لوگ آپؐ اور آپؐ کے اہل بیتؑ کے دشمن تھے جو ذاتی اختلافات اور ذاتی عناد رکھتے تھے؟ یا جو مسلمانوں اور اسلام سے دشمنی رکھتے تھے؟!

اسی طرح سیاست کے میدان میں، بنی نوع انسان کی ہدایت کے سلسلے میں کیا حکمت عملی رکھتے تھے آیا طاقت کا استعمال اور عوام پر حکومت کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے یا لوگوں کو تربیت، آگاہی،

نصیحت، عفو و درگزر کے ذریعے حق خود ارادی اور انتخاب کی اجازت دیتے تھے۔ حکومت اور اقتدار میں، قضاوت و عدالت میں اس بات کے قائل تھے کہ عدل و انصاف کیا جائے اور حقدار کا حق اسے ملے یا دوستی و اقرباء پروری معیار تھا؟!

آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد ہی جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، آپؑ کا جنگ کے سلسلے میں کیا اسلوب تھا آیا جس طرح بھی ممکن ہوتا دشمن کو کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی؟ کیا جنگ کے دوران نہتے دشمن کے سپاہی کی بھی گردن اڑا دی جاتی تھی؟ کیا جنگ میں فتح کے بعد دشمن کے علاقے میں موجود شہری کو بھی ایک دشمن کے طور پر سمجھا جاتا تھا؟ چاہے وہ ضعیف اور عمر رسیدہ شخص ہو یا عورت یا کم سن بچے۔ کیا دشمن کی دشمنی میں ہر طرح کا عمل انجام دینا جائز سمجھا جاتا تھا؟ کیا دشمن پر غلبہ حاصل ہونے کے بعد ان کے مردوں کی شکلیں بگاڑنا اور ان کے ناک کان کاٹنا اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی جائز سمجھی جاتی تھی؟ اس بنا پر کہ دشمن نے بھی ہمارے سپاہیوں کے لاشوں کی بے حرمتی کی تھی!! ہمیں چہاردہ معصومینؑ کے کردار سے یہ سب باتین سیکھنی ہیں کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ کس طرح سوچتے اور کیوں ایک خاص طریقے سے عمل کرتے تھے تاکہ ہم اپنی زندگی میں اس طریقے اور اسلوب کو اپنا سکیں اور اس طرح دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔

کیا ممکن ہے کہ کوئی شخص اس دنیا میں زندگی گزارنے کے کچھ

اصول رکھتا ہو اور چاہے جیسے حالات ہوں وہ اصول اس کے کبھی بھی تبدیل نہ ہوں اور ان میں لچک نہ آنے پائے ہم رسول خداؐ اور ائمہؑ کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے۔ زندگی کی ابتداء سے اختتام تک اپنے اصول سے نہیں ہٹے چاہے حالات کیسے بھی ہوں اور زمانہ کتنا ہی بدل گیا ہو!

رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو دیکھئے بعثت سے پہلے جس طرح لوگوں کے ساتھ مہربانی اور انکساری سے پیش آتے ہیں رسالت پر مبعوث ہونے کے بعد بھی طبیعت میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا۔ ہجرت کے دسویں سال جب آنحضرتؐ کی شہرت ہر جگہ ہو چکی ہے اور آپؐ کے پاس لوگوں کا آنا جانا لگا ہوا ہے۔ ایک عرب بدو آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہے، چاہتا ہے کہ گفتگو کرے لیکن جو کچھ رسول خداؐ کے بارے میں اب تک سن چکا ہے اس سے اس قدر مرعوب ہے کہ زبان ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور ہکلانے لگتا ہے سرکار رسالتؐ اس کی یہ حالت دیکھ کر رنجیدہ ہوتے ہیں اور اسے گلے سے لگا لیتے ہیں تاکہ اس کا بدن آپؐ کے بدن مبارک سے مس ہو جائے اور اسے یہ احساس ہو کہ یہ بھی مجھ جیسے انسان ہیں، نیز بڑے پیار سے فرماتے ہیں: هون عليك ، لست بملك یعنی: بھائی! اطمینان سے بات کرو کیوں گھبراتے ہو؟! میں کوئی ظالم بادشاہ تو نہیں ہوں!

سیرت معصومینؑ اور حقائق

رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام کی زندگی اور ان کی سیرت حسنہ سے یہ بات اچھی طرح

ثابت ہو جاتی ہے کہ ان معصوم ہستیوں نے نہ تو کبھی اپنی خواہشات نفسانی پر عمل کیا اور نہ انہوں نے ٹھوس حقائق کے خلاف کوئی بات تسلیم کی اور اسے مذہبی رنگ دینے کی بابت سوچا۔ سچ تو یہ ہے کہ نعوذ باللہ یہ معصوم ہستیاں حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال کے بعد اگر اپنے کردار سے اسلام کی تعلیمات اور مفاہیم کو واضح نہ کرتے تو ان میں سے شاید کوئی بھی اسلامی تعلیم اور مفہوم اپنی اصلی شکل و صورت میں باقی نہ رہتا۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم چہاردہ معصومینؑ کی سیرت کو قرآن و حدیث اور سب سے زیادہ عقل کی روشنی میں پرکھیں اور ان کے کردار کو اچھی طرح سمجھنے کی سعی و کوشش کریں۔

ہم اپنی ذاتی مشکلات اور پریشانیوں کو اجتماعی اور قومی مشکلات پر ہرگز ترجیح نہ دیں۔ اسلامی معاشرے کو گمراہی سے بچانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں۔

سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت کے حوالے اس واقعہ کا تذکرہ کرنا یہاں انتہائی مناسب ہوگا کہ جب آپؐ کے فرزند ابراہیم کا کم سنی میں انتقال ہوا اور سورج کو گرہن لگ گیا۔

۴-چند واقعات کی روشنی میں رسولؐ کی سیرت

آنحضرتؐ کے فرزند کی وفات اور سورج گرہن

یہ واقعہ ہماری کتبِ احادیث کے علاوہ اہل سنت حضرات کی کتب احادیث میں بھی موجود ہے۔ خداوند باری تعالیٰ نے آپؐ کو حضرت ماریہؑ

قبطیہؓ سے ایک فرزند نرینہ عطا فرمایا تھا جن کا نام نامی "ابراہیم" تھا۔ یہ بچہ رسول خداؐ کی محبت کا مرکز بنا ہوا تھا ! اور کیوں نہ ہوتا۔ اتنے عرصے بعد اولاد کی نعمت رسول اکرمؐ کو عطا ہوئی تھی۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا لہذا ۱۸ ماہ کی کمسنی میں یہ فرزند خدا کو پیارا ہو گیا اور سب کو اداس کر گیا۔ ہمارے پیارے نبیؐ جو پوری امت کے شفیق باپ ہیں، اور انسانی احساسات سے آپؐ کی شخصیت لبریز ہے ، اس واقعہ سے آپؐ کا متاثر ہونا ایک فطری عمل ہے ، یہاں تک کہ خدا کے حبیبؐ آنسو بہاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

" دل جل رہا ہے اور آنسو بہہ رہا ہے اے ابراہیمؑ ! ہم تمھارے لئے غمگین ہیں ، لیکن ہر گز خدا کی مشیت کے خلاف کوئی بات زبان پر جاری نہیں کریں گے۔"

سارے مسلمان افسردہ اور غمزدہ ہیں اس لئے کہ رسول مقبولؐ کے قلب مبارک پر غم کے بادل چھائے ہوئے ہیں ! اتفاق سے اسی دن سورج گرہن بھی ہو گیا ، ادھر مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ سورج گرہن کا لگنا، حضرت ابراہیم بن محمدؐ کی وفات کی وجہ سے ہے اور عالم بالا میں بھی ان کا سوگ منایا جارہا ہے !

یہ بات شہر بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور مرد و عورت سب ایک زبان ہو کر کہہ رہے تھے کہ دیکھا ! سورج بھی ہمارے رسولؐ کے غم میں شریک ہے جبکہ سرکار رسالتؐ نے خود ایسی کوئی

بات نہیں فرمائی ! بہر حال یہ چیز اس بات کا سبب بنی کہ لوگوں کا عقیدہ اور ایمان ، پیغمبرؐ خدا کے بارے میں اور زیادہ مضبوط ہو جائے اور عام طور سے لوگ بھی اس قسم کے مسائل میں اس سے زیادہ نہیں سوچا کرتے۔ لیکن یہاں خدا کے حبیبؐ کا رد عمل دیکھئے!

آپؐ کی زندگی کا مقصد دین اسلام کی تبلیغ اور خدا کے حکم کو لوگوں تک پہنچانا تھا تاکہ بنی نوع انسان کی ہدایت ہو سکے ۔ اور انہیں گمراہی اور جہالت سے نجات مل جائے ! یقیناً اس سے زیادہ زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا ! اللہ اور اللہ کا دین اور اس دین کو ایک رسول کے ذریعے لوگوں تک پہنچانا ، یہ سب باتیں عین سچائی اور ایک حقیقت ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ان سب چیزوں کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں عقیدہ اور ایمان پیدا کرنے لئے ہمیشہ ایسی چیزوں کو وسیلہ اور ذریعہ بنایا ہے جو حقیقت اور سچ ہوں ! لہذا رسالت مآبؐ کو جب پتا چلا کہ لوگ ایک ایسی چیز کو اپنے عقیدہ اور ایمان کا ذریعہ بنا رہے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ، تو آپؐ اپنا تازہ غم بھلا کر کار رسالتؐ انجام دینے کے لئے گھر سے مسجد کی طرف تشریف لے گئے ، منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا :

" یہ سورج کو گرہن لگنا اور میرے بچے کی وفات کا ایک ہی وقت میں رونماں ہونا محض ایک اتفاق ہے ۔ اور اس کا حقیقت سے کوئی

تعلق نہیں اور یہ واقعہ میرے بچے کی وفات کی وجہ سے نہیں ہوا"
حالانکہ رسول خداؐ کی خاطر سورج گرہن لگنا کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ خدا نے پوری کائنات رسولؐ کی خاطر خلق کی ہے۔ حدیث قدسی، لولاك لما خلقت الافلاك (اے رسولؐ اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں یہ زمین و آسمان خلق نہ کرتا) تو سورج گرہن تو بہت معمولی سی بات ہے لیکن جب ایک بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تو اس بات کو کسی سچائی اور حقیقت پر لانے یا اس پر اپنے ایمان کو بڑھانے کے لئے استعمال کرنا اور وسیلہ یا ذریعہ بنانا غلط ہے۔ کیونکہ یہ دین پر عقیدہ و ایمان کا مسئلہ ہے جو علم و معرفت اور حقائق پر مبنی ہے اب اگر لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا کرنے کے لئے ان کی جہالت کو وسیلہ بنایا گیا (چاہے لوگ خود بنائیں یا ایک عالم اس کو وسیلہ بنائے) تو لوگوں کے طرز تفکر اور سوچ کا انداز بگڑنے کا خطرہ ہے۔ کیونکہ باطل چیز پائدار نہیں لہذا جیسے ہی لوگوں کے علم میں اضافہ ہوگا یا کوئی شخص ان کے عقیدہ پر اعتراض کرے گا تو ان کا عقیدہ اور ایمان متزلزل ہو جائے گا کیونکہ جس چیز پر عقیدہ کی بنیاد رکھی تھی اور جس وسیلہ سے عقیدہ پیدا ہوا تھا وہ جعلی اور خام تھا، اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ جیسا کہ آج ہم اور آپ جانتے ہیں کہ سورج گرہن اس کائنات کے نظام کا ایک حصہ ہے ماہر فلکیات پہلے سے اس بات کا اعلان کر دیتے ہیں کہ کس دن سورج گرہن یا چاند گرہن ہوگا ۔ اور اگر آنحضرتؐ لوگوں کو حقیقت سے آگاہ نہ فرماتے تو آئندہ نسلوں

میں پیدا ہونے والے دانشمند ضرور یہ اعتراض کرتے کہ اگر لوگ جاہل تھے تو کیا ہوا خدا کے رسولؐ کو تو لوگوں کو بتانا چاہئے تھا کہ سورج گرہن کا بچہ کی وفات سے کوئی تعلق نہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے کہ دین کی بنیاد صرف خیالی باتیں ہیں اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

رسول خداؐ فرماتے ہیں :

اے علی ! اگر خدا تمھارے ہاتھ سے ایک انسان کی ہدایت فرمادے تو یہ چیز اس دنیا ومافیہا سے کہیں زیادہ افضل ہے ،اب اگر ایک دو آدمی نہیں بلکہ پورا ایک گروہ کفر وبت پرستی کو ترک کردے اور رسول گرامیؐ کے دست مبارک پر اسلام لے آئیں اور آپؐ کے ذریعہ ہدایت پا جائیں تو ہمارے پیارے نبیؐ کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق اس سے بہتر کوئی عمل اور زندگی کا مقصد نہیں ہوسکتا۔

بت پرستی کی اجازت

قبیلہ ثقیف کے کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ لیکن ہماری تین شرطیں ہیں :

پہلی شرط یہ ہے کہ ایک سال تک ہمیں بتوں کی پوجا کی اجازت دے دیجئے پھر ایک سال بعد ہم مسلمان ہو جائیں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ نماز پڑھنا ہمارے لئے بہت سخت کام ہے

اس سے ہمیں معاف کر دیجئے!

تیسری شرط یہ ہے کہ سب سے بڑا بت ہمارے ہاتھوں سے توڑنے کا حکم نہ دیجئے!!

رسول خداؐ نے فرمایا کہ آخری شرط مجھے منظور ہے سب سے بڑا بت میں کسی اور کے ہاتھ تڑوا دوں گا لیکن پہلی اور دوسری شرط ہر گز قابل قبول نہیں! ممکن ہے کوئی یہ سوچے کہ اگر ایک سال بعد بھی مسلمان ہو جاتے تو کیا حرج تھا بالا آخر ہدایت پا جاتے لیکن آنحضرتؐ صاف انکار کر دیتے ہیں اس لئے کہ آپؐ کا اجازت دے دینا بت پرستی کی تائید اور حمایت کرنا تھا اور ایک سال تو دور کی بات ہے ایک دن کی اجازت بھی قطعاً ممکن نہ تھی کیونکہ یہی تو اصل اختلاف تھا اور حق و باطل میں یہی فرق ہے حق تک پہنچنے کے لئے جس چیز کو وسیلہ بنایا جا رہا ہو اس کا بھی حق ہونا ضروری ہے اور اگر طریقہ غلط ہو اور وسیلہ بھی باطل چیز کو بنایا جائے تو وہ انسان کو حق تک نہیں پہنچاتا۔ اور اگر خلافِ حقیقت چیزوں اور باتوں سے کسی دین کی بنیادی بات یا اس کے اصول" کو ثابت بھی کر دیا جائے تو یہ ایک وقتی کامیابی ہوگی اور اس کے نتیجے میں نا سمجھ لوگوں اور اپنے دشمنوں کے لئے ہم راستہ کھول دیں گے کہ وہ دین کو بگاڑنے کے لئے اس قسم کی غیر علمی اور خلاف واقع چیزوں کو دین میں داخل کرنا شروع کر دیں اور اس اندازِ فکر کو مذہب کا رنگ دے دیں!

اسلام کی نظر میں انسان کا مقام

صحابئ رسولؐ کا واقعہ

ایک شخص خیالوں میں ڈوبا ہوا اپنے ماضی کے حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ کس قدر سختی میں وہ دن گزرے تھے ان دنوں اس کی اتنی حیثیت بھی نہ تھی کہ اپنی بیوی بچوں کو پیٹ بھر کر دو وقت کا کھانا کھلا سکتا۔ اسے اپنے بھوک سے بلبلاتے معصوم بچوں کی صورتیں آج بھی یاد تھیں۔ پھر وہ دل ہی دل میں اس ایک جملے کے بارے میں غور و فکر کر رہا تھا جو اس کی ذہنی بیداری کا سبب بنا۔ نہ جانے اس میں کیا اثر تھا کہ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے مردے میں روح پھونک دی ہو، اس جملہ نے اس کو ایک نئی زندگی کا پیام سنایا، اس کی بدحالی، خوشحالی میں تبدیل ہوگئی، جو گھرانہ کل تک آب و دانہ کا محتاج تھا آج دس ضرورت مندوں کو روزگار مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اپنی زندگی کی کایا پلٹنے کے بعد اب وہ اس جملے میں پنہاں حکمت کو اپنی روح کی گہرائیوں سے

محسوس کر رہا تھا اور اسے فخر تھا اس بات پر کہ اس نے فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیا بلکہ بہت غور و فکر کے بعد قدم اٹھایا۔

یہ کون تھے ؟ جی ہاں یہ کوئی اور نہیں بلکہ رسول مقبولؐ کے ایک صحابیؓ تھے فقر و تنگدستی نے آپ کا گھر دیکھ لیا تھا۔ ایک دن جب وہ ان مشکلات کا سامنا کرتے کرتے ہمت ہار بیٹھے تو ان کی بیوی نے انہیں مشورہ دیا کہ ارے آپ اتنا پریشان ہو رہے ہیں جب کہ رسول خداؐ ابھی موجود ہیں، ان کے پاس جائیے اور صاف صاف سب کچھ ان سے کہہ دیجئے بیوی کی گفتگو سے ان کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی اور انہوں نے طے کر لیا کہ ایسا ہی کریں گے۔

دوسرے دن جب وہ اسی ارادے سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس سے پہلے کہ کچھ کہتے جیسے پیارے نبیؐ نے ان کے دل کی بات پڑھ لی ہو! آپؐ کے لبہائے مبارک حرکت میں آئے اور آپؐ نے بغیر ان کو مخاطب کئے اس انداز میں گفتگو کا آغاز فرمایا کہ :

جو شخص ہم سے مدد چاہے گا ہم ضرور اس کی امداد کریں گے ، لیکن اگر کوئی شخص کسی مخلوق کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بے نیازی اختیار کرے تو خالق کائنات اس کو حقیقت میں اپنے سوا سب سے بے نیاز کر دیا کرتا ہے۔ اتنا سننے کے بعد وہ رسول مقبولؐ کی خدمت میں کچھ عرض نہ کر سکے اور خاموشی سے واپس پلٹ آئے۔ گھر پہنچ کر کیا

دیکھتے ہیں کہ سب کچھ ویسا کا ویسا ہی ہے، حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی مجبوراً دوسرے دن پھر وہی ہوا جو کل ہوا تھا، یہ آج بھی خاموشی سے اپنے گھر کو لوٹ آتے ہیں اور گھر میں کافی دیر ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہیں کہ شاید کوئی خدا کی نعمت نظر آجائے! لیکن وہاں سوائے فقر و فاقہ کے کچھ ہوتا تو ملتا! تیسرے دن وہ فیصلہ کر کے جاتے ہیں کہ آج چاہے جو کچھ ہو میں اپنے دل کی بات خدا کے رسولؐ سے کہہ کر ہی رہوں گا۔

تیسرے دن وہ پوری طرح تیار تھے کہ اپنی بات کہہ ہی ڈالیں گے لیکن اس دفعہ بھی وہی ہوا اور آنحضرتؐ نے اپنے مخصوص انداز میں وہی جملہ تکرار فرمایا۔ لیکن اس دفعہ جیسے اس جملہ میں کچھ اور ہی بات تھی! انہیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ گہری نیند میں تھے اور کسی نے انہیں جھنجھوڑ کر اٹھادیا ہو، ان کا ضمیر جاگ اٹھا تھا اور پکار پکار کر ان سے کہہ رہا تھا کہ آپ کی تمام پریشانیوں کا راز اس ایک جملے میں پوشیدہ ہے!

رسولؐ کا فرمان مشکل کا حل

یہ جملہ سننے کے بعد اب انہیں کچھ نہیں کہنا تھا، شکریہ کے انداز میں اپنے رسولؐ کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے خدا حافظ کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

وہ نہایت پر وقار انداز میں اطمینان سے قدم اٹھاتے گھر کی جانب گامزن تھے، ساتھ ہی ساتھ سوچتے جارہے تھے کہ آئندہ میں کسی کے

سامنے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا اگر سوال ہی کرنا ہے تو اپنے پروردگار سے کیوں نہ کروں!

اب میں صرف خدا کی ذات پر بھروسہ کروں گا اور اس کی دی ہوئی جن نعمتوں کو میں اب تک بھلائے بیٹھا تھا، ان سے بھرپور فائدہ اٹھاؤں گا، اپنے ذہن سے پوری طرح سوچنے سمجھنے کا کام لوں گا، اپنے قوت بازو سے محنت مزدوری کروں گا اور اس کے بعد اپنے رب سے اپنی کامیابی کی دعا کروں گا کہ : اے بار الہا! مجھے اپنے سوا سب سے بے نیاز کردے!

گھر پہنچ کر انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ آخر وہ کیا کام کر سکتے ہیں، اچانک ان کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ فی الحال جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر شہر جاکر فروخت کی جائیں کیوں کہ اس کام کے لئے سرمائے کی ضرورت نہیں، بس ایک کلہاڑی چاہئے اور وہ بھی پڑوسی سے ادھار مل جائے گی، اور خدا کا نام لے کر یہ کام شروع کیا، پہلے دن ان کو اپنی محنت کا پھل بہت اچھا معلوم ہوا۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ انہوں نے اپنی روزمرہ ضروریات کی چیزیں مہیا کرلیں لیکن پھر بھی لکڑی کا کام جاری رکھا یہاں تک کہ ان کے پاس اتنا سرمایہ ہوگیا کہ جس کے ذریعے انہوں نے چھوٹی موٹی تجارت شروع کردی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا شمار شہر کے بڑے تاجروں میں ہونے لگا اور ان کے پاس کئی نوکر چاکر بھی ہوگئے جو سارا کام سنبھالتے تھے۔

ایک روز آنحضرتؐ ان کے پاس سے گزرے تو سلام کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے نہیں کہا تھا کہ جو شخص ہم سے مدد چاہے گا تو ہم ضرور اس کو سہارا دیں گے لیکن اگر کسی نے بے نیازی اختیار کی تو پروردگار عالم اسے حقیقت میں سب سے بے نیاز کر دے گا!

ہمارے آخری نبیؐ کا یہ عمل نظروں سے گزرنے کے بعد اجتماعی طور پر پورے اسلامی معاشرے کیلئے اور انفرادی لحاظ سے ہر ہر شخص کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ خدا انسان کو کس مقام پر دیکھنا چاہتا ہے اور آج معاشرہ کس مقام پر ہے!

پروردگار عالم نے اپنے ہر بندے کو اتنی عزت، شرافت اور عظمت سے نوازا ہے کہ یہ بات بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی عام بندہ بھی دنیوی مسائل میں بھی اس کے رسولؐ کا محتاج ہو اور اس کے سامنے اپنی ضرورت و پریشانی کو بیان کرے۔ اور چونکہ سرکار رسالتؐ، مزاج شریعت سے بخوبی آگاہ تھے لہٰذا اس سے پہلے کہ خدا کا ایک بندہ خود آپؐ کی نظر میں اور اپنی نظر میں اس مقام سے نیچے گر جائے، جو خالق کائنات نے اسے عطا کیا ہے، حضرت ختمی مرتبتؐ اسے مخاطب کئے بغیر اس کا مقام اسے یاد دلاتے ہیں!

اس کے علاوہ جب کوئی شخص کسی دوسرے انسان کے سامنے اپنی ضرورت کے تحت ہاتھ پھیلانے جا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی شکست مان لی ہے اور اب اسے اپنے اوپر مکمل اعتماد نہیں رہا!

چاہے یہ بے اعتمادی کا احساس بہت کم ہی کیوں نہ ہو ۔ بہر حال اس شخص کا اپنے اصلی مقام سے گرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی نفسیاتی طور پر وہ احساس کمتری کا شکار ہو چکا ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا احسان لیتا ہے تو اس کے بعد جب کبھی اپنے محسن کا سامنا کرنا پڑے تو ہر مقام پر اس کے سامنے انکساری کا اظہار کرنا پڑتا ہے اور اگر احسان کرنے والا نامعقول قسم کا انسان ثابت ہوا تو رسوائی میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا!

انسان کی خودداری

خدا کی جانب سے انسانی طبیعت میں خودداری کا پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ شعوری طور پر ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے جیسے انسان کا سہارا لے لیکن یہ عمل انجام دینے کے بعد اس کے لاشعور میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ خدا کے علاوہ بھی کوئی اور اس کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے!

جب کہ خدا اس بات کو پسند نہیں فرماتا ، کیونکہ یہ ایک انسان ، پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے ایک طرف تو وہ معاشرے پر بوجھ بنتا ہے دوسری طرف معاشرے کے افراد ضرورت مند انسان سے دوری اختیار کرتے ہیں کہ کہیں یہ ان سے کچھ سوال نہ کر بیٹھے اور اس کی ضرورت پوری نہ کرنے سے ان لوگوں کی سبکی ہو ! اس لئے خداوندباری تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس کا عام بندہ بھی اس کے خاص بندے کا محتاج نہ ہو۔

جب ہم اپنی دنیا کے نظام کو باغور دیکھتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی بھی معاشرہ ہو، مسلم ہو یا غیر مسلم ہر معاشرے میں وہاں کے لوگوں نے اپنے معاشرے کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کچھ قوانین بنائیں ہیں اور ان میں سے ایک قانون تعلیمی نظام ہے وہ یہ کہ میٹرک انٹر تک تمام لڑکے اور لڑکیاں ایک ہی نصاب کے مطابق تعلیم حاصل کریں گے اور تمام طالب علم اور طالبات ایک جیسے مضامین پڑھیں گے اور انٹر سے تمام طالب علموں کو اجازت ہو گی کہ اپنی پسند کا مضمون انتخاب کریں اور اس میں مہارت حاصل کریں اور صاحب نظر ہو جائیں۔

چھ، سات سال کا عرصہ گزرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ طالب علم و طالبات، انجنیئر، کچھ ڈاکٹر اور کچھ نے (MBA) کی ڈگری لے لی ہے جب کہ کچھ ایسے ہیں جو (بی کام، بی اے) کرنے کے بعد نوکری کرنے میں مصروف ہیں، اب اگر کوئی کہے کہ جناب دیکھئے فلاں شخص اتنا متقی اور پرہیز گار ہے، اس نے داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے اور ہر نماز کے بعد آدھے گھنٹے دعا کرتا ہے لیکن یہ بورڈ آفس والے بڑے ناانصاف ہیں، مسلمان ہوتے ہوئے بھی ایسے پکے مسلمان کو انٹر میں صرف (بی، گریڈ) دیا، اگر یہ لوگ اس کو (اے، گریڈ) دے دیتے تو ان کا کیا نقصان ہو جاتا تو سننے والے اس بات پر بہت دل کھول کر ہنسیں گے۔ کیوں کہ ہر کام کا ایک طریقہ ہے اگر مجھے ڈاکٹر بننا ہے تو اسی لحاظ سے مجھے محنت کرنی پڑے گی تاکہ میں میڈیکل کالج میں داخلے کے لئے

مطلوبہ نمبر لا سکوں ۔ اور جب میں مطلوبہ نمبر لے آؤں گا تب ہی میں داخلہ لے سکتا ہوں۔

قدرت کا قانون

اسی طرح خدا نے تمام انسانوں کو ایک جیسا خلق کیا ہے۔ ہر انسان دو ہاتھ ، دو پیر ،دو آنکھیں ، دو کان ،ایک سر اور اس کے علاوہ دوسرے اعضاء بھی ہیں ، جو خدا نے ایک انسان کے جسم میں رکھے ہیں ۔ پروردگار عالم نے انسان کے اندر مختلف قسم کی قوتیں رکھی ہیں جن کو وہ جسم کے مختلف حصوں سے محسوس کرتا اور سمجھتا ہے۔ مثال کے طور پر ذہن کے ذریعے دوست اور دشمن کو پہچانتا ہے قوت شنوائی کے ذریعے مختلف قسم کی آوازوں کو سمجھتا ہے۔ قوت لامسہ کے ذریعہ گرمی اور سردی کو محسوس کرتا ہے۔ بہر حال خدا نے ہر انسان کو یہ نعمتیں عطا کرنے کے بعد ان کے لئے ایک قانون بنادیا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمارہا ہے :

"وان لیس للانسان الاماسعیٰ"

سورۂ نجم ۳۰ / آیت ۳۹

یعنی یہ کہ " اے میرے بندے میں نے تیرے لئے وہ تمام ذرائع فراہم کردیئے ہیں جن کی پوری زندگی تجھے وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی رہے گی یعنی وہ تمام قوتیں جو ایک انسان میں موجود ہیں اور اس بات کا انتخاب ہر بندے پر چھوڑدیا ہے کہ وہ ان نعمتوں سے کس طرح فائدہ

اٹھاتا ہے اور کس مقصد کے لئے ہو اب انسان زندگی کے ہر شعبے میں ان قوتوں کو جتنا بھر پور اور صحیح طور پر استعمال کرے گا اتنا ہی فائدہ اٹھائے گا"

اسی لئے اب اگر کوئی ان طاقتوں کو دن رات مشین کی طرح استعمال کرے تاکہ مال و دولت کی طاقت حاصل کرلے تو یقیناً اس طاقت کو باآسانی حاصل کرلے گا کیوں کہ خدا نے ان جسمانی طاقتوں کو انسان کا تابع بنایا ہے اور اس کو مکمل اختیار دیا ہے کہ جس طرح وہ چاہے ان سے فائدہ اٹھائے لہٰذا ہم آج اپنی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جن قوموں نے خدا کی ان نعمتوں کو بھر پور اور صحیح طرح استعمال کیا دوسری قوموں سے آگے نکل گئے!

مثال کے طور پر چین اور جاپان میں لوگوں نے ۱۶،۱۶ گھنٹے رسمی طور پر کام کیا آج ٹیکنالوجی میں سب سے آگے ہیں، اور ایسا بالکل نہیں کہ اگر ایک غیر مسلم قوم ان طاقتوں کا صحیح استعمال کرلے تو بھی اس کو فائدہ نہ ہو اس لئے کہ خدا کی تمام نعمتیں اس دنیا میں بغور یکساں تمام مخلوقات کے لئے ہیں جیسا کہ علماء تفسیر "بسم اللہ" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ الرحمٰن سے مراد یہ ہے کہ خدا اس دنیا میں تمام مخلوقات پر رحم کرتا ہے اور الرحیم سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں صرف خاص بندوں پر رحم کرے گا۔ اب اگر کوئی شخص اپنی غرض کو پورا کرنے کے لئے محنت کرے تو اس کی اس دنیا کی ضرورت تو پوری ہو جائے گی لیکن آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ آخرت کے لئے ان نے

کوشش نہیں کی۔ اب اگر مال دولت اس لئے کمائے کہ اس کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچا سکے اچھے اور تندرست اور صالح اولاد کی تربیت کر سکے جو آگے چل کر ایک مضبوط اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھ سکیں تو حلال رزق جتنا بھی کمائے عین عبادت ہے۔ اس طرح نہ صرف دنیا میں سکون سے رہے گا بلکہ آخرت میں بھی آرام سے ہو گا۔

معصومینؑ کی زندگی اور اسلامی مفاہیم

اسلام کے بہت سے مفاہیم اور اصطلاحوں کو معصومین علیہم السلام کی زندگی کو بغور مطالعہ کئے بغیر سمجھنے کی کوشش کی گئی لہٰذا اب تک ان میں سے کئی اصطلاحیں لوگوں کے لئے یا مبہم ہیں یا ان کا غلط تصور ذہنوں میں بن چکا ہے جیسے زہد و پرہیزگاری کا مفہوم اور مطلب اکثر لوگوں کے ذہن میں ترک دنیا ہے جبکہ زہد و پرہیزگاری سے مراد "ترک کرنا اور دوری اختیار کرنا ہے ہر اس چیز سے جو خدا سے دور کرے" حالانکہ ترک دنیا رہبانیت ہے اور اسلام نے صاف الفاظ میں رہبانیت اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔

اسی طرح دعا کو لے لیجئے کچھ افراد اس کی اہمیت سے غافل ہیں لہذا زندگی کی مٹھاس اور اطمینان قلب سے محروم ہیں جیسا کہ قران میں ارشاد ہوتا ہے "الابذکر اللّٰہ تطمئن القلوب" یعنی یہ کہ "خدا کی یاد ہی سے دلوں کو قرار ملتا ہے"

جبکہ بعض افراد اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ دعا الہ دین کا چراغ ہے اور بغیر ہاتھ پاؤں چلائے سب کچھ انسان کے لئے حاضر ہو جائے، تو یہ غیر ممکن ہے اس لئے نہیں کہ خدا کے لئے نعوذباللہ یہ کام مشکل ہے بلکہ اس لئے کہ ہر کام کے لئے خدا نے ایک خاص طریقہ کار معین فرمایا ہے آیئے ہم اس بات کو اپنے چھٹے امام، امام جعفر صادق علیہ السلام سے سیکھیں:

چھٹے امام کی حدیث

ایک شخص نہایت اضطراب و پریشانی کی عالم میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

"میں بہت غریب آدمی ہوں آپ میرے لئے دعا کیجئے تاکہ پروردگار عالم میرے رزق میں وسعت عطا فرمائے اور مجھے تمام پریشانیوں سے نجات مل جائے۔"

امامؑ نے ارشاد فرمایا:

"میں تمہارے لئے ہرگز دعا نہیں کروں گا!"

اس شخص نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا:

"اے امامؑ میری جان آپ پر فدا ہو آخر کیا وجہ ہے کہ آپؑ میرے لئے دعا نہیں فرمائینگے؟"

امامؑ نے جواب میں فرمایا:

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ رب العزت نے اس کام کے

لئے ایک راستہ معین کر رکھا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تلاش معاش کے لئے گھر سے باہر نکل پڑو اور محنت و مشقت سے کام کرو جبکہ تم یہ چاہتے ہو کہ گھر سے باہر نکل کر تلاش معاش کے بجائے دعا کے زور سے روزی کو اپنے گھر ہی بلا لو۔"

وسائل جلد ۱۲، باب ۴ حوالہ ۳ صفحہ ۱۰ کافی جلد ۵ باب ۵ ح ۳ صفحہ ۸۰

اسلام میں اقتصاد کی اہمیت

اسلام ایک حقیقت پسند دین ہے لہٰذا انسان کی خلاقیت کو نظر میں رکھتے ہوئے وہ یہ چاہتا ہے کہ انسان زندگی میں ہر ہر قدم مکمل آگاہی سے اٹھائے اس لئے ہر زمانے میں اقتصاد کی طرف توجہ دلاتا ہے کیونکہ اقتصاد کا انسانی زندگی سے براہ راست تعلق ہے اگر انسان فقر و تنگدستی میں مبتلا ہو تو اس کا براہ راست اثر سب سے پہلے اس کے اعصاب پر پڑتا ہے اور اکثر لوگ اسی طبیعت کے ہیں۔ امیر المومنینؑ نہج البلاغہ میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ

" عین ممکن ہے کہ فقر و تنگدستی کی ہیبت تم کو کفر اختیار کرنے پر مجبور کردے"

جیسا کہ آج ہم اس بات کے شاہد ہیں کہ بہت سے لوگ فاقوں سے تنگ آکر عیسائی ہو گئے۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

"...... لولا الخبز ماصلينا ، ولا صمنا ، ولا

ادینا فرائض ربنا"

(کافی جلد ۵ باب ۳ صفحہ ۷۵ ح، ۱۳)

یعنی : "ہم بغیر روٹی کے (اور دوسری ضروریات زندگی جن کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں) نہ نماز پڑھ سکتے ہیں، نہ روزہ رکھ سکتے ہیں اور نہ پروردگا کے دوسرے واجبات کو انجام دے سکتے ہیں۔"

اس کے علاوہ مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں :

"لکل ذی رمق قوت"

(خطبۃ الوسیلہ پہلا پیراگراف سطر ۵)

یعنی یہ کہ "ہر وہ ذات اور ہر وہ شیٔ جو جاندار ہے، اس کو غذا کی ضرورت ہے"

اسی طرح امام جعفر صادقؑ ہمیں ایک قانون سے آگاہ فرمارہے ہیں کہ :" انا بنی الجسد علی الخبز"

یعنی یہ کہ انسانی بدن کی بنیاد غذائی اجزاء پر قائم ہے"

(کافی جلد ۶ صفحہ ۲۸۸ باب ۱۴۱ ح ۳، ۷)

مومنین کی مضبوطی اسلام کی مضبوطی

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جو غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے اور دو بڑے عالم دین ملا محسن فیض کاشانی اور شیخ محمد فیض کاشانی اور شیخ محمد بن حسن حر عاملی نے اپنی کتابوں میں اس

کو نقل کیا ہے امامؑ فرماتے ہیں :

ان من بقاء المسلمین و بقاء الاسلام ، ان تصیر الاموال عند من یعرف فیها الحق ویصنع المعروف وان من فناء الاسلام والمسلمین ، ان تصیر الاموال فی ایدی من لا یعرف فیها الحق ولا یصنع فیها المعروف

وسائل الشیعہ جلد ۱۱ صفحہ ۵۲ ابواب فعل المعروف باب ۱ جلد ۱
کافی جلد ۴ باب المعروف جلد ۱ صفحہ ۲۷

ترجمہ :

"یہ بات اسلام اور مسلمانوں کی بقا کا باعث ہے کہ مال ودولت ایسے لوگوں کے پاس ہو جو اپنے مال وثروت میں دوسروں کے حق کو پہچانتے ہیں اور اس کے ذریعے نیکیاں انجام دیتے ہیں اور اسی طرح یہ بات اسلام و مسلمین کی فنا کا باعث ہے کہ مال ودولت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو جو نہ تو اپنے مال میں دوسروں کے حق کو جانتے ہیں اور نہ ہی اس کے ذریعے کار خیر انجام دیتے ہیں"

اس حدیث کی روشنی میں ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ حق کی شناخت بہر حال بالعموم تمام مسلمان اور بالخصوص مومنین سے بہتر اور کون رکھتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کی بقاء اس بات پر مبنی ہے کہ مال وثروت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو یعنی یہ کہ مال ودولت ہوگی تو

معاشرے کی فلاح و بہبود کا کام انجام دے سکیں گے آج ہم دنیا کی حالت دیکھ رہے ہیں کہ دشمن کے ہاتھ دولت وثروت ہے اور وہ نہ تو اس مال کے حق کو جانتے ہیں اور نہ کار خیر انجام دینے کی نیت رکھتے ہیں عمل تو دور کی بات ہے بلکہ اپنی تمام تر طاقتیں اور ان میں من جملہ مال ودولت کو پوری طرح اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں اور فلسطین و بوسنی ہرزگوین اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

اس مادی ضرورت کو پورا کرنے کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ آنحضرتؐ کو جب اپنے خاندان کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم آیا تو آپ نے اس کا آغاز ہی دعوت ذوالعشیرہ سے کیا تاکہ جب لوگوں کے پیٹ بھر جائیں تو پوری توجہ سے آپؐ کے پیغام کو سن سکیں اور سمجھ سکیں، لہٰذا ہر مسلمان کے لئے اقتصادی طور پر خود کفیل ہونا بے انتہا ضروری ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی سیرت

حضرت علیؑ مطیعِ رسولؐ

پہلے امام حضرت علیؑ کی پوری زندگی کو دو مختلف زمانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک دور آنحضرتؐ کی حیات مبارکہ کا دور ہے اور دوسرا رسول مقبولؐ کے وصال کے بعد کا دور ہے فی الحال ہماری گفتگو امیر المومنینؑ کی زندگی کے پہلے دور کے بارے میں ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ کا سایۂ رحمت امت کے سر پر قائم تھا۔

حضرت ابو طالبؑ ایک بڑے خاندان کی کفالت کر رہے تھے اور زندگی سختی میں گذر رہی تھی اس چیز کو دیکھتے ہوئے رسول اکرمؐ نے اپنے چچا کی مدد کچھ اس طرح کی کہ اپنے چچازاد بھائی حضرت علی ابن ابی طالبؑ

کی پرورش کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی اور اس طرح علیؑ کی پرورش وتربیت سرکار رسالتؐ کی آغوش شفقت میں ہونے لگی۔ آنحضرتؐ کی رحلت تک کوئی لمحہ اور کوئی موقع ایسا نہیں جہاں رسولؐ کے ساتھ ساتھ علیؑ نہ ہوں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ مولیٰ خدا کے رسولؐ کے نقش قدم پر چلتے نظر آتے ہیں، امامؑ خود اپنے مطیع رسولؐ اور فرمانبردار ہونے کو مختلف طریقوں سے خوبصورت تشبیہات کی شکل میں بیان فرماتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں کتنی خوبصورت تشبیہ ہے!

"ولقد کنت اتبعه اتباع الفصیل اثر امه"

(نہج البلاغہ، خ: ۱۹۰)

میں رسول گرامیؐ کا اس طرح مطیع و فرمانبردار تھا جیسے ایک چھوٹا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے، جہاں اس کی ماں جاتی ہے وہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

لہٰذا اس فرمانبرداری کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جو مولیٰ فرمارہے ہیں کہ:

"انی لم ارد علی الله و لا رسوله ساعة قط"

(نہج البلاغہ خ، ۱۹۵)

"میں نے لمحہ بھر کے لئے بھی خدا اور رسولؐ کی نافرمانی نہیں کی۔"

اسلام شناسی میں پوری جدو جہد اور دلی لگاؤ

مولائے کائنات حضرت علیؑ تحصیل علم کے سلسلے میں ان تمام باتوں کا خیال رکھتے ہیں جنہیں علم حاصل کرنے کے آداب کہا جاتا ہے

امامؑ کو اسلام شناسی کا اس قدر شوق اور لگاؤ تھا کہ کسی بھی موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ شیر خدا اپنے اس جذبہ اور انہماک کو کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں :

" وکان لا یَمُرُّ بِی من ذالك شی الا سالته عنه وحفظته "

(نہج البلاغہ۔ خ : ۲۰۸)

" کوئی بھی (نا معلوم) بات جو میرے ذہن میں آئی، ایسی نہ تھی جس کے بارے میں میں نے آنحضرتؐ سے سوال نہ کیا ہو اور اس کا جواب ذہن نشین نہ کر لیا ہو۔ "

رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ کا آپس میں اس قدر گہرا تعلق تھا کہ لوگوں نے مولائے کائنات کو اپنے اور خدا کے رسول کے درمیان ایک معتبر اور قابل اعتماد رابطے اور وسیلے کے طور پر قبول کر لیا تھا اور امیر المومنینؑ، آنحضرتؐ کے مزاج کو اس حد تک جانتے تھے کہ آنحضرتؐ خود ہی فرماتے ہیں کہ عَلِیٌّ مِنِّی ۔ یعنی علی مجھ سے ہیں۔

(الحیاۃ الصحابہ : ج ا صفحہ : ۵۵۹)

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ اپنے سوالات بھی امام ہی کے ذریعے رسول اکرمؐ کے حضور پیش کرتے اور ان کے جواب وصول کرتے تھے۔

(التراتیب الادار یہ ج ا صفحہ ۵۹۵۸)

جب کبھی امامؑ سے سوال کیا جاتا کہ وہ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ احادیث رسول سے کیوں نقل فرماتے ہیں تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ :

"لانی کنت اذا سالته انبانی واذا سکت ابتدانی"

(انساب الاشراف ج ۱، صفحہ ۹۸)

"آنحضرت سے اتنی کثرت سے احادیث نقل کرنے کا فخر مجھے اس لئے حاصل ہے کہ جب میں آپؐ سے سوال کرتا تو خدا کے رسولؐ اس کا جواب عنایت فرماتے اور جب میں خاموشی اختیار کرتا تو آپ خود گفتگو کا آغاز فرما دیتے!"

علمِ امامؑ کی تائید

مولیٰ کا رسولؐ سے یہی گہرا اور مضبوط رابطہ تھا اور اسی کے اثرات تھے جن سے علم امامؑ کی تائید ہوتی ہے اسی لئے امامؑ کو رسول گرامی کے بعد آیات قرآنی کی شان نزول اور اس کی تفسیر کے سلسلے میں سب سے زیادہ عالم اور قابل شخصیت سمجھا جاتا ہے اس مقام کی مناسبت سے مولائے متقیانؑ فرماتے ہیں کہ:

"واللّٰہ مانزلت آیة وقد علمت فیما نزلت واین نزلت"

(انساب الشراف جلد ۹ صفحہ ۹۹)

"خدا کی قسم! ہر وہ آیہ شریفہ جو (آنحضرتؐ پر) نازل ہوئی میں اس کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہوں کہ وہ کس چیز کے بارے میں نازل ہوئی اور کس موقعہ پر نازل ہوئی!"

علی ابن ابی طالبؑ ہمیں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہمیں یہ بتا رہے ہیں کہ سچی پیروی کس طرح کی جاتی ہے جیسا کہ اپنے بارے میں

فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹا بچہ جو اپنی ماں سے کسی بھی لمحے جدا ہونا گوارہ نہیں کرتا اور اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں اپنی ماں سے محروم نہ ہو جائے اور ماں کا دامن ہاتھ سے اگر چھوٹ گیا تو اس سے بچھڑ کر یک و تنہا رہ جائے گا! بالکل اسی طرح اگر ہم اور آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دامن سے منسلک رہیں اور اسے اتنی ہی مضبوطی سے تھامے رہیں جتنی مضبوطی سے ایک بچہ اپنی ماں کا دامن پکڑے ہوئے ہوتا ہے تو لاکھ مشکلات پیش آئیں انسان گمراہ نہیں ہوگا۔ جس طرح سے کسی موقع پر جب ماں کسی وجہ سے مجبوری کی حالت میں تیزی سے قدم اٹھانے لگتی ہے تو بچہ بھی ماں کے پیچھے دوڑتا ہے۔ کبھی گر پڑتا ہے کبھی لڑکھڑاتا ہے۔ لیکن ان سب مشکلوں کے باوجود، ماں کی والہانہ محبت اسے اس بات پر اکساتی ہے کہ وہ ماں سے جدا نہ ہونے پائے اور اس کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے!

اسی طرح جب ہمارا رابطہ محمدؐ و آل محمدؐ سے اتنا مضبوط ہوگا جتنا ایک ماں اور بچے کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے تو پھر گناہوں سے بچنا اور نیک کام انجام دینا آسان ہوگا کیونکہ جب معصومین علیھم السلام سے ہمارا تعلق مستحکم ہوگا تو ان کی خوبیاں اور ان کا کردار ہمارے کردار پر خواہ نہ خواہ اثر انداز ہوگا اور ہمارے اذہان بھی گناہوں کی طرف نہ جائیں گے!

اور جب ہم عملی طور سے آنحضرتؐ اور آپ کے اہل بیتؑ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں گے اور ان کے رنگ میں رنگ جائیں گے

ہماری ہر ادا ان کی ادا جیسی ہو گی تو پھر ہمیں زبان سے اسلام کی تبلیغ کرنیکی ضرورت نہیں ہو گی بلکہ کردار کی روشنی اس بات کے لئے کافی ہو گی کہ ہم اور ہمارا عمل اس بات کا وسیلہ بنے کہ مظلوم انسان ہدایت کا سچا راستہ پالیں!

محبت کے تقاضے

حضرت علیؑ کی سیرت سے دوسرا سبق یہ لیتے ہیں کہ عملی طور سے آنحضرتؐ سے اپنی محبت کا آظہار کریں اور وہ یہ ہے کہ مکمل طور پر ہم ان کے مطیع اور فرمانبردار ہوں، فکر و عمل میں ان سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں آیئے دیکھیں کہ مولیٰ کس طرح رسول خداؐ کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں:

امامؑ نے چونکہ آنحضرتؐ کے دامن شفقت میں تربیت پائی تھی لہٰذا آپؐ سے ایک والہانہ الفت اور جذباتی لگاؤ فطری عمل تھا لیکن سرکار امامت کبھی بھی جذبات کے بہاؤ میں نہیں بہے بلکہ ہر لحہ کمر ہمت باندھے کبھی دعوتِ ذوالعشیرہ کے موقعے پر آنحضرتؐ کی آواز پر لبیک کہتے ہیں تو کبھی شعب ابی طالب میں محصور پیغمبر کو بھوک و پیاس سے نجات دلاتے ہیں اور جب مشرکین مکہ اپنی طاقت کو کمزور دیکھتے اور اسلام کو مضبوط ہوتا دیکھتے ہیں تو خدا کے حبیب کے قتل کا منصوبہ بناتے ہیں آنحضرتؐ کو خبر مل جاتی ہے۔

آپؐ مدینہ ہجرت کرتے ہیں اور علیؑ کو اپنے بستر مبارک پر

سلادیتے ہیں اور علیؑ نہایت خوشی سے آپؐ کے بستر پر سوتے ہیں اور کسی قسم کو کائی اعتراض نہیں کرتے۔

حضرت علی علیہ السلام زندگی کا ایک سنہرا اصول بتارہے ہیں کہ اگر کسی کی محبت کو آزمانا ہو تو یہ دیکھو کہ وہ عملی طور پر تمہارے کس قدر کام آتا ہے! اس کے علاوہ یہ کہ سچی محبت انسان کی تربیت کا باعث بنتی ہے اسے انسانی آداب سیکھاتی ہے اور اسے وفادار بناتی ہے۔

مولیٰ شاید اسی بات کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں کہ :

"خیر القول ماصدقه العمل"

(الغارات جلد ا صفحہ ۲۴۹)

یعنی یہ کہ "بہترین بات وہ ہے جس کی تائید عمل کے ذریعے ہو!"

اور حق بھی یہی ہے لہٰذا ایسا نہ ہو کہ کوئی مولیٰ علیؑ کی محبت کا دم بھرتا ہو اور عدالت سے بے بہرا ہو حسینی ہونے کا دعوائی کرے اور امر بالمعروف اور نہیں عن المنکر سے غافل ہو اسی طرح صبح و شام نماز میں شہادتیں پڑھتا ہو اور ساتھ ساتھ غیر خدا کی شعوری یا لاشعوری طور پر پرستش بھی کرتا ہو!

معرفت، رابطہ مضبوط ہونے کا سبب

جب انسان کسی چیز کی قدر و قیمت کو اچھی طرح پہچان لے تو تب ہی اس کی طرف یا تو ہاتھ بڑھتا ہے اگر اچھی اور مفید چیز ہو یا اس چیز سے دوری اختیار کرتا ہے اگر بری اور نقصان دہ چیز ہو! اب جب کہ معصومینؑ

کے بارے میں اتنا تو جانتے ہیں کہ خدا کے سب سے زیادہ نیک صالح اور ہدایت یافتہ بندے ہیں تو ضروری ہے کہ ان شخصیتوں اور ان کے کردار سے مزید واقف ہوں تاکہ ان ہستیوں سے ہمارا ناطہ زیادہ سے زیادہ پائیدار ہو سکے ۔ اور اس کے لئے ہمیں محنت اور پوری طرح جدو جہد کرنے کی ضرورت ہے ! ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ کسی بھی ایسے موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دیں جس سے ہم سیرت چہاردہ معصومین علیھم السلام کو کسی حد تک جان سکیں اور ان کے عمل کو سمجھ کر اپنے عمل کو اس کی روشنی میں سنوار سکیں ! جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مولائے کائنات بھی اس مسئلے کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو ان کے لئے نامعلوم تھی آنحضرتؐ سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور اس کا جواب ذہن نشین کر لیتے ہیں !

نتیجہ:

حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت جب اپنے لئے اس بات کو جائز نہیں سمجھتی کہ رسول خداؐ کے نقش قدم سے ذرّہ برابر ادھر ادھر ہو اور مذہب شناسی کے سلسلے میں آداب تحصیل علم اور تعلیم و تربیت کا بھر پور طریقے سے خیال رکھتے ہیں تو یقیناً اہل بیتؑ کی محبت رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ مذہب شناسی کے سلسلے میں خاص اہتمام کریں تاکہ اسلام کی شناخت اس طرح حاصل کر لیں جو اس کا حق ہے اور اہل

بیتؑ سے محبت کا عملی طور پر حق ادا کر سکیں جو کہ کسی سے عشق اور محبت کرنے اور اس کے سچے ہونے کا ثبوت ہے!

maablib.org

حضرت علیؑ اور معاشرے کی ہدایت

علیؑ کی مظلومیت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہم امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کا جائزہ لے چکے اب امامؑ کی زندگی کے دوسرے دور میں جو آنحضرتؐ کے وصال کے بعد کا زمانہ ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہے ان بحرانی حالات میں جب کہ آپؑ کو خلافت اور قوم کی ہدایت کے حق سے محروم کر دیا گیا تھا، آپؑ کے ہاتھ میں اسلام کو نافذ کرنے کی طاقت نہیں دی گئی، دینِ محمدیؐ نااہل افراد کے ہاتھوں بگڑنے والا تھا، حضرت علیؑ کو بدنام کرنے کی کوششیں شروع ہوگئیں تھی اقتدار کو ہاتھ میں لینے کے بعد حکومتِ وقت کی پوری کوشش یہ تھی کہ اسلام کی ظاہری شکل وصورت باقی رہے لیکن اپنی کرسی کی بقاء اور اس کی مضبوطی کے لئے جتنی بھی اسلامی تعلیمات کی بنیادوں کو بگاڑنا اور تبدیل

کرنا پڑے اسے تبدیل کر دیں۔ کیونکہ بہت سی بنیادی تعلیمات ایسی تھیں جو حکومت باقی رکھنے اور مال و دولت کے حصول میں رکاوٹ بن رہی تھیں جیسے آنحضرتؐ کی احادیث کے نقل کرنے پر پابندی لگانا جو اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی اور اگر احادیث نقل ہوتی رہتیں تو دنیا پر یہ بات واضح ہو جاتی کہ آنحضرتؐ کے جانشین بنائے گئے ہیں اور کون معاشرے اور قوم کی ہدایت اور حکومتی مسائل کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہے، اب دیکھنا یہ کہ مولیٰ ان مشکلات پر کس طرح صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے اور ساتھ ساتھ دین اسلام کی حفاظت بھی کرتے ہیں!

احتجاج انسانیت کی نشانی!

حضرت علیؑ جب قوم کے درد مند باپ کو لحد کے حوالے کر چکے اور غم کچھ ہلکا ہوا تو پتہ چلا کہ جانشینی تقسیم کی جاچکی ہے۔ امامؑ اپنا حق چھن جانے پر سخت احتجاج کرتے ہیں اور اس احتجاج اور اعتراض میں حضرت فاطمہ سلام اللہ علیھا بھی پیش پیش ہیں، یہاں پر ذہن میں سوال آتا ہے کہ حکومت اور خلافت چھن جانا شاید حضرت کا ذاتی یا خاندانی مسئلہ تھا اور اس سے ان کو مادی فائدہ حاصل ہونا تھا؟

لیکن بات اتنی معمولی سی نہیں تھی بلکہ جس طرح کسی ادارے کے لئے ایک ناظم اور انچارج کی ضرورت ہے جو قابل و باصلاحیت ہو اور ادارے کے نظام کو کامیابی کے ساتھ چلانے کی لیاقت و اہلیت رکھتا ہو

بلکل اسی طرح ایک انسانی اور مسلم معاشرے کے لئے بھی ایک ایسے باصلاحیت رہبر اور قائد کی ضرورت ہے جو معاشرے کی معنوی اور مادی لحاظ سے ہدایت کر سکے اور معاشرے میں ایک صحیح اور جامع حکومتی، اقتصادی، تربیتی، اخلاقی، اجتماعی، ثقافتی، عدالتی اور مذہبی نظام کا تصور پیش کر سکے اور اس سے متعلق مسائل کا حل جانتا ہو؟

اب جب کہ موجودہ خلافت ان تمام خصوصیات کی حامل نہ تھی تو اس موقعہ پر خاموشی، ظلم و ظالم کا ساتھ دینا اور ان کی حمایت کرنے کے مترادف تھا اور اگر یہ خلافت اور ہدایت کی ذمہ داری امامؑ کے کندھوں پر خداوند باری تعالیٰ کی جانب سے نہ بھی ہوتی تب بھی انسانیت کے حوالے سے ایک ذمہ داری اور فریضے کی ادائیگی کے طور پر ضروری تھا کہ مولائے کائنات اس حساس موقعے پر اس ناقابلِ تلافی نقصان سے بنی نوع انسان کو بچانے کے لئے ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں کیونکہ اس ظلم کے نتائج اور اس کے آثار صرف اس موجودہ نسل تک محدود نہیں تھے بلکہ وہ اثرات نسل در نسل چلتے رہتے مگر یہ کہ کسی دوسرے امامؑ کے دست مبارک سے آئندہ نسلوں کی ہدایت اور صحیح تربیت ہو! ظلم جتنا بڑا ہو اس کا ساتھ دینا بھی اتنا ہی بڑا جرم آج جو حکومتیں اور قومیں فلسطین اور بوسنی ہرزیگوینہ کے مظلوم اور نہتے انسانوں پر ڈھائے جانے والے ظلم پر خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں سب کے سب مجرم اور ظالم کا ساتھ دینے والے ہیں اور بالکل اسی طرح سزا کے مستحق ہیں

جیسے ان انسانوں کے قاتل سزا کے لائق ہیں!

اسلام کی بقاء

امیرالمومنین حضرت علیؑ جب خدا کی جانب سے عطا کیئے گئے حق اور منصب کا مطالبہ کرتے ہیں اور ظلم کے خلاف احتجاج فرماتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ دشمن اسی بات کا منتظر تھا اور جب جزیرۃ العرب کے گوشہ وکنارے اسلام کی مخالفت کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں تو مولیٰ حفاظت اسلام کی خاطر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں کہ کہیں اس موقعہ سے فائدہ اٹھاکر دشمن فتنہ وفساد برپا نہ کردے!

امام اپنے اس خدشے کو محمد بن ابی بکر کے نام ایک خط میں یوں بیان فرماتے ہیں:

> "مجھے صرف اس بات کا خوف ہے کہ اگر میں نے اسلام اور مسلمان کی مدد نہ کی تو عین ممکن ہے کہ اسکی وجہ سے اسلام اور اس کے ماننے والوں کو اتنا شدید دھچکا لگے گا کہ جس کا برداشت کرنا میرے لئے اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے، جتنی تکلیف مجھے تم لوگوں پر حکومت کے چھن جانے سے ہوئی! جب کہ یہ حاکمیت چندروز ہے!!!"

(الغارات جلد ۱، ۳۰۷ نہج البلاغہ خطبہ ۶۲)

فتنہ وفساد کے بغیر حق کا بیان

اگرچہ ہمارے مظلوم امامؑ نے اسلام کی خاطر خاموشی اختیار کرلی تھی لیکن اس کے باوجود وقتاً فوقتاً موقعہ محل دیکھ کر اپنے حق کے

چھن جانے کو بیان کرتے اور اہل بیتؑ کی قدر و منزلت لوگوں کو یاد دلاتے رہتے تھے! خلفاء وقت جب کبھی کسی مشکل میں پھنس جاتے تو ان حالات میں ان کا واحد سہارا مشکل کشا علیؑ ہوتے تھے اور بالخصوص علمی مسائل میں اسلامی تعلیمات کا واحد خزانہ اور سر چشمہ مولائے متقیانؑ کی شخصیت کو سمجھا جاتا تھا! جہاں اسلام کی بقاء کا مسئلہ ہوتا امامؑ مکمل طور پر دفاع کرتے تھے اور ظاہری اسلامی حکومت کے دشمنوں کو شکست ماننا پڑتی لیکن اگر خلیفۂ وقت مولیٰ سے اس لئے مدد چاہتے تھے کہ حضرت علیؑ کی حمایت کو دنیا کے سامنے ظاہر کر کے اپنی خلافت کے برحق ہونے کی سند حاصل کر سکے یا کوئی اور سیاسی مقصد حاصل کر سکے تو مولیٰ صاف انکار کر دیتے اور جہاں پر بھی مشاہدہ فرماتے کہ اسلام کے کسی حکم میں تبدیلی یا اس کے انجام دینے میں کوتاہی کی جا رہی ہے تو بلا جھجھک ٹوک دیتے! ملاحظہ کیجئے:

ایک موقعے پر خلیفہ دوم کے سامنے ایک عدالت کا مسئلہ پیش کیا گیا اس تنازعہ کے طرفین حضرت علی علیہ السلام اور ایک شخص تھے، جب مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی تو خلیفہ نے امیر المومنین علیہ السلام کو تو آپ کی کنیت سے پکارا لیکن آپ کے خصم کو اس کے نام سے پکارا جبکہ عرب کے دستور کے مطابق کسی کو نام سے پکارنا بے احترامی سمجھا جاتا ہے اور پھر آداب قضاوت و عدالت کے مطابق کسی مقدمہ کے طرفین کے ساتھ جانبدارانہ انداز اپنانا خلاف عدالت ہے، لہٰذا امامؑ یہاں پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں، جس کے جواب میں خلیفہ عذر خواہی

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"میرے باپ آپ پر فدا خدا نے آپ ہی کے ذریعے ہماری ہدایت کی اور آپ ہی کے توسط سے ہمیں تاریکیوں سے نکالا اور روشنی میں پہونچایا"

خدا پسندانہ عمل سے مخالفوں کو بھی قائل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت علیؑ نے اگرچہ اپنی مخالفت ترک نہیں کی تھی اور جہاں مناسب موقعہ ہوتا اپنے حق کا مطالبہ کرتے تھے لیکن پھر بھی اپنے عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ اسلام کا سچا حامی اور محافظ اہل بیتؑ کے سوا کوئی نہیں جس کا اعتراف خلیفہ دوم اس طرح کرتے ہیں کہ :

"میرا عقیدہ ہے کہ اگر وہ (حضرت علی علیہ السلام) اس امت کے امور کو سنبھال لیں تو تم لوگوں کو خدا کے راستے پر گامزن کر دیں گے"

(انساب الاشراف جلد ا صفحہ ۲۱۴، ادت المفرد رعاری صفحہ ۱۴۹)

دوسری جگہ اقرار کا یہ انداز ہے کہ :

"خدا مجھے ایسی مشکل کے لئے باقی نہ رکھے، جس کے حل کرنے کے لئے ابوالحسن (علیؑ) نہ ہوں!"

اسلام میں جذباتیت کو کوئی مقام نہیں دیا گیا جس کا جیتا جاگتا ثبوت سرکار امامتؑ کا پر خلوص عمل ہے، امامؑ حکومت ہاتھ سے جانے پر جذبات میں آکر تلوار نہیں اٹھاتے اور اگر چاہتے تو دوسروں کو بھی حکومت نہ کرنے دیتے لیکن آپ کا مقصد معاشرے کی ہدایت تھا اور اگر حق کا مطالبہ کیا تو وہ بھی اس لئے کہ انسانیت کو تباہ برباد ہونے سے بچا سکیں۔

حضرت علیؑ کی پانچ سالہ حکومت اور مشکلات

چوٹ کھائے ہوئے لوگ

خلفائے ثلاثہ کے دوران حکومت میں ایک طرف تو واقعات و حالات نے معاشرے پر یہ بات ثابت کر دی تھی کہ مشکل و مصیبت کے وقت، اسلام کے نجات دہندہ، علوم کا واحد خزانہ اور مرکز حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ اور دوسری طرف معاشرے کے پڑھے لکھے اور باخبر لوگ جو حالیہ سیاست کو اسلام کی مصلحت کے خلاف دیکھ رہے تھے، امیر المومنینؑ کو قوم کی رہبری کے لئے سب سے زیادہ اہل سمجھتے تھے اس کے علاوہ امامؑ کے چاہنے والے ان حالات کو حضرت کی امامت کے لئے مناسب اور غنیمت جان کر اپنی سرگرمیاں تیز کر چکے تھے اور پھر عوام کے مختلف طبقے بھی حالیہ حکومت کی پالیسیوں اور کارکردگیوں کو اجتماعی سطح پر اپنے مقاصد اور آرزوں سے بہت دور مشاہدہ کر رہے تھے اس

طرح رائے عامہ خلیفہ سوم کے زمانے میں حکومت کے سخت خلاف ہو گئی تھی اور اس کے بعد وہ تمام واقعات پیش آئے جو تاریخ میں محفوظ ہیں۔

ایک صالح اور غیر صالح سیاستداں میں فرق

ایک صالح سیاست دان وہ ہے جو حکومت اور اقتدار کا امید وار ہوتا ہے لیکن اس سے اس کا مقصد صرف ملک و قوم کی تعمیر اور انفرادی واجتماعی ترقی ہوتا ہے اور ہمیشہ اپنے ملک و قوم کے بہتر مستقبل کی آرزو رکھتا ہے اور اس کے لئے پوری کوشش اور جدو جہد کرتا ہے جب کہ ایک غیر صالح سیاستدان وہ ہے جو حکومت اور اقتدار اس لئے چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے اپنے دل کی خواہشات کو پورا کر سکے اور کیونکہ انسان کی ہوس اور اس کی نفسانی خواہشات کا کوئی معیار اور حدود معین نہیں ہے لہٰذا ایک غیر صالح سیاستدان کا سارا ہم و غم یہ ہے کہ اس کی حکومت باقی رہے اور اس کے لئے وہ سب سے زیادہ جس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ عوام کی کم علمی اور جہالت ہے اور سیاسی و دینی شعور کے فقدان کی وجہ سے عوام کے مختلف طبقوں کو آپس میں با آسانی لڑاتا اور اس طرح ان پر حکومت کرتا ہے۔

حضرت علیؑ کی شخصیت ہمیں ایک صالح سیاستدان سے بھی کہیں زیادہ بلند نظر آتی ہے، نہ صرف یہ کہ امام اس الٰہی منصب کے ہاتھ سے

چھن جانے پر فتنہ و فساد برپا نہیں کرتے بلکہ ایک ہمدرد باپ کی طرح ہر مسئلہ پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو معاشرے سے لاتعلق نہیں سمجھ لیتے بلکہ ہر لحاظ سے انفرادی طور پر جتنی بھی مادی اور معنوی ضروریات کو پور کر سکتے ہیں، اسے پورا کرتے ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے عوام اور حکومت دونوں پر یہ بات ثابت کر دیتے ہیں کہ معاشرے کی ہدایت کے حقدار صرف صالح افراد ہیں اور وہ یقیناً اہل بیتؑ ہیں۔

حق کا اثبات

یہاں اگر ذرا سا غور کریں تو پتا چلے گا کہ عمل سے سچائی اور حق کی طرف بلانے کا اتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ وہی لوگ جنہیں حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بدگمان کیا جاچکا تھا جب آپؑ کے کردار کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں اور یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ مولیٰ کو صرف حکومت سے دور رکھنے کے لئے انہیں بدنام کیا گیا تھا! تو پھر اس بات کے منتظر نہیں رہتے کہ پہلے خلافت کا اعلان ہو پھر بیعت کے لئے خلیفہ کے گھر جائیں جیسا کہ اس سے پہلے یہی ہوتا رہا تھا کہ پہلے خلافت کا اعلان ہوتا اور اس کے بعد لوگ بیعت کرنے خلیفہ کے پاس جاتے تھے لیکن اس دفعہ لوگوں نے اپنے خلیفہ کو دل و جان سے انتخاب کیا تھا اور خانہ علی علیہ السلام پر لوگوں کا اژدہام، بیعت کے لئے

اس قدر شدید تھا کہ مولیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں حسنین علیھما السلام لوگوں کے درمیان دب کر ہی اللہ کو پیارے نہ ہو جائیں!

بگڑے ہوئے مزاج

حقیقت حال یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی کے بعد حکومت وقت کی پوری کوشش یہ تھی کہ اسلامی حکومت کی حدود کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے! اس سلسلے میں اگر چہ کہ مسلمانوں نے کفر و شرک کے مقابلے میں بہت جدو جہد اور شجاعت کا مظاہرہ کیا لیکن بہت سے مقامات پر اپنے آپ کو ذاتی اغراض اور دینی انحرافات سے نہ بچا سکے! اور یہ سلسلہ اتنا آگے بڑھا کہ سنت رسولؐ اور کلام خدا کو پس پشت ڈال دیا گیا اور بدعت اور ذاتی رائے نے ان دونوں کی جگہ لے لی! لوگ زیادہ سے زیادہ مال غنیمت جمع کرنے کی ہوس میں دینی اقدار سے غافل ہو چکے تھے اور لوگوں میں مخالفت کا جذبہ صرف اس وقت پیدا ہوا جب لوگوں کو پتا چلا کہ جنگوں میں ہاتھ آنے والی بے شمار مال و دولت ان لوگوں کی غیر موجودگی میں خلیفۃ المسلمین کے خاندان میں تقسیم ہو رہی ہے اور اس دوران کچھ ہوشیار مسلمان جو حکومتی اداروں کے ذمہ دار اشخاص کے ظلم و تشدد سے بیزار ہو چکے تھے مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے ان تمام واقعات سے جہاں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حکومت صالح افراد کے ہاتھ میں نہ تھی وہاں یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ نا اہل افراد کے

بر سر اقتدار آنے کی وجہ سے عوام کا مزاج بھی خواہ نہ خواہ بگڑتا تھا کہ جس کی وجہ سے رسول خداؐ کی عالم گیر تحریک کو بھی نقصان پہنچا!

فریضہ کی ادائیگی

مولائے کائنات عملی ماضی حال اور مستقبل کی کڑیوں کو آپس میں ملا چکے تھے۔ لوگوں میں دینی شعور کا فقدان اور دینی عقائد وافکار میں کج روی نے مسائل کو بے حد پیچیدہ کر دیا تھا، رسول خداؐ کے زمانے میں جب کہ لوگ اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ تھے تو ایسے معاشرے کی اصلاح تمام مشکلات کے باوجود بھی ممکن تھی لیکن جب امامت کی ذمہ داری حضرت علیؑ نے سنبھالی تو اسلام کو ایک آلودہ پس منظر اور بگڑے ہوئے انداز میں لوگوں کے ذہن میں بیٹھایا جا چکا تھا یا یہ کہئے کہ سرکار رسالت کے زمانے میں لوگ بیمار تھے لیکن امیر المومنینؑ کے زمانے میں عوام کی بیماری کو مزید بگاڑا جا چکا تھا اور یہ بات بھی سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیماری کا علاج مختلف مراحل میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اور اگر بیماری حد سے زیادہ بڑھ چکی ہو تو لاعلاج ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی رسول مقبولؐ کے وصال کے بعد سے مولیٰ کی زمانۂ امامت کی ابتداء تک معاشرہ اس مقام تک پہنچ چکا تھا کہ واضح طور پر یہ بات نظر آرہی تھی کہ لوگ معاشرے میں عدل و انصاف قائم

کرنے کے سلسلے میں آپؑ کے قدم باقدم تو کیا آپ کے پیچھے پیچھے بھی نہ چل سکیں گے ان تمام مشکلات کے ہوتے ہوئے بھی آپؑ معاشرے کو گمراہی سے بچانا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں لہٰذا خلافت ظاہری بھی قبول کر لیتے ہیں! اور اس موقعے پر لوگوں سے صاف صاف اس طرح فرماتے ہیں کہ :

"میرا پیچھا چھوڑ دو اور کسی اور کو (حکومت کے لئے) ڈھونڈو مستقبل میں ایسی مشکلات اور ایسے حالات پیدا ہونے والے ہیں کہ جن کے مقابلے میں تمہارے دل و دماغ قابو سے باہر ہو جائیں گے"

(نہج البلاغہ صبحی، صفحہ ۱۳۶)

لیکن! امیر المومنینؑ کے گھر پر لوگ اس طرح ٹوٹے پڑ رہے تھے جیسے عاشق کو اپنا محبوب مل گیا ہو! یہاں تک کہ امامؑ کے بچوں کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور آخر کار جب قوم کی منت سماجت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو مولیٰ نے حکومت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے اس کی وجہ اس طرح بیان فرمائی کہ :

"(اگر میں خلافت قبول نہ کرتا تو) مجھے صرف اس بات کی پریشانی تھی کہ کہیں ناسمجھ اور برے کردار کے لوگ اس امت (رسولؐ) پر مسلط نہ ہو جائیں اور پھر خدا کے مال کو (بیت المال) آپس میں تقسیم کرلیں، خدا کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں، صالح افراد سے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جائیں اور فاسقوں کے ساتھ جا کر مل جائیں!"

شکست یا کامیابی الٰہی فریضے کی انجام دہی میں کوئی معنی نہیں رکھتی

اس گفتگو سے نتیجہ یہ ملتا ہے کہ ہمارے پہلے امامؑ اپنے عمل سے ہمیں یہ درس دے رہے ہیں کہ لاکھ پہاڑ جیسی مشکلات کا سامنا ہو پھر بھی انسان کا فریضہ یہ ہے کہ خدا کے حکم کی تعمیل کرے اپنے فریضے کو کما حقہ، انجام دے کیونکہ حالات کی خرابی اس بات کا بہانہ نہیں بن سکتی کہ انسان کی ذمہ داری ختم ہو گئی اور پھر خدا نے کسی کام کا نتیجہ ہمارے اختیار میں نہیں رکھا جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انسان اپنی انفرادی زندگی کو تو بہت حد تک اپنے اختیار سے جس طرح چاہتا ہے ڈھال لیتا اور منظم کرلیتا ہے لیکن اپنے معاشرے کے حالات کو اپنی مرضی سے تبدیل نہیں کر سکتا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی انسان جو بھی پروگرام بناتا ہے اس کا صد در صد وہ نتیجہ نہیں نکلتا جو اس نے تصور کیا تھا مثال کے طور پر آنحضرتؐ کو حکم ہوا کہ حجۃ الوداع کے موقعے پر اپنی جانشینی کا اعلان ایک بار پھر پوری شان و شوکت سے کردیں اور اپنی طرف سے حجت تمام کردیں! رسول گرامیؐ نے اپنی ذمہ داری باخیر وخوبی انجام دے دی لیکن امت نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور خدا کے رسولؐ کی پیروی میں کوتاہی کی! اب اگر آنحضرتؐ کے وصال کے چند دن پہلے کے واقعات کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی جانتے تھے

کہ امت جانشینی کے سلسلے میں کوتاہی کرے گی تو کیا امت کی نافرمانی اور ایسے حالات پیش آنے کے امکانات کے بارے میں باخبر رہنے کی وجہ سے خدا کے حبیبؐ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ؟ کیا وہ اپنے اس فریضے کو جس کے عمل نہ ہونے کے بہت زیادہ امکانات تھے اور بہت سی رکاوٹیں نظر آرہی تھیں ، ترک کر دیتے ؟ نہیں ترک نہیں کرتے بلکہ آنحضرتؐ کے بارے میں تو ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ آیندہ کے بارے میں بھی باخبر تھے اس لحاظ سے اگر دیکھیں تو آنحضرتؐ جانتے تھے پھر بھی نتیجہ کی پرواہ کئے بغیر اپنے فریضے کو انجام دیا کیونکہ یہی انسان کا امتحان ہے کہ وہ اپنے خدا کے حکم کو انجام دیتا ہے یا اپنی من مانی کرتا ہے۔ خدا نے نتیجہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تاکہ اپنے بندوں کو آزمائے کہ کون اس کے حکم کو پورے خلوص اور احساس ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتا ہے اور کون بہانہ بازی کرتا ہے !

یہ ایک سچی حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ نے جس مقصد اور جس نتیجے کو حاصل کرنے کے لئے اتنی آب وتاب سے اپنا جانشین معین کیا اور اس کا اعلان فرمایا تھا صد افسوس کہ وہ مقصد پورا نہ ہو سکا یعنی یہ کہ قوم گمراہ ہونے سے نہ بچ سکی تو کیا خدا کے رسولؐ کی قدر و منزلت کم ہو گی ؟ نہیں قطعاً نہیں بلکہ یہ تو آپؐ کی عظمت کا باعث ہے کہ آنحضرتؐ کو صرف خدا کی خوشنودی عزیز ہے اور اپنے فرض کی ادائیگی ! اسی طرح حضرت علیؑ نے حکومت اس لئے سنبھالی تھی کہ نااہل افراد

امت پر مسلط نہ ہو جائیں لیکن وہ مقصد تو حاصل نہ ہو سکا اور آپؑ کے بعد کتنے ہی برے کردار کے لوگ امت پر ظلم و ستم ڈھاتے رہے بلکہ اہل بیتؑ بھی مسلسل اس ظلم کا نشانہ بنے تو کیا ان حالت میں جب کہ مولیٰ چند دن کے لئے حکومت ہاتھ میں لے سکتے تھے اور عوام کو ایک دن ہی کے لئے صحیح راستہ دکھا سکتے تھے۔ کیا خلافت کی مدت کا کام ہونا اور حالات کا بہت زیادہ خراب ہونا اس بات کا باعث بنتا ہے کہ مولیٰ اس فریضے کو انجام نہ دیں ؟

نہیں یہ چیزیں اس بات کا بہانہ نہیں بن سکتیں کہ انسان اپنا فریضہ انجام نہ دے ورنہ ایک صالح اور غیر صالح شخص میں فرق ہی کیا رہ جائے گا اور پھر ایک غیر صالح فرد جو کہ اپنی خواہشات کا غلام ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی خواہشات بغیر کسی رکاوٹ اور مشکل کے پوری ہوتی رہیں اور اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ صالح اور نیک بندے ہیں اب اگر یہ خدا کے خالص بندے اپنے معبود کے حکم کو مشکلات کے مقابل میں نظر انداز کر دیں تو ایک طرف تو انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور دوسری طرف خدا کے نافرمان بندے کی مشکل کو حل کر دیا یعنی غیر اصلاح فرد کی خواہشات کو پورا کرنے میں اس کی مدد کی !

اب ذرا غور کریں کہ کون شخص زیادہ بڑا مجرم ہے جب کہ خدا نے صالح افراد کے امتحان کے لئے ایسی مشکلات خود ہی پیدا کی ہیں ! بس اسی لئے ہمارے پہلے امامؑ اپنے عمل سے بتا رہے ہیں کہ جتنا میرا فریضہ

تھا اسے میں نے پورا کیا اور جب تک ممکن ہوا اسے پورا کرتا رہوں گا! اور جب لوگ حضرت علی علیہ السلام کے عدل وانصاف کی تاب نہ لا سکے اور مخالفتیں شروع ہو گئیں تو امامؑ نے صاف طور سے لوگوں کو اس طرح خبردار فرمایا کہ :

"جس چیز سے تم لوگوں کو خبردار کر رہا تھا اب اس فتنے کے شعلے بلند ہونا شروع ہو گئے ہیں اور جب تک حالات میرے قابو میں ہیں، میں بھی پوری طرح اپنی ذمہ داری نبھاتا رہوں گا......"

(فتوح ابن اعثم جلد ۲ صفحہ ۲۷۲)

حضرت امیر المومنینؑ کے دوران حکومت میں بنیادی اصول

حضرت علی علیہ السلام کے پانچ سالہ حکومت کے بنیادی اور سب سے اہم اصول مندرجہ ذیل شمار کئے جاسکتے ہیں :

(۱) حکام کی اصلاح، مشرکین سے جنگ کرنے سے زیادہ اہم :

امام عالی مقام ایک لمحے کے لئے بھی یہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ کوئی ایسا شخص کسی شہر یا علاقہ کا والی یا حاکم ہو جس کی سیاسی اور دینی صلاحیت میں ذرہ برابر بھی شک ہو ! لہٰذا کچھ افراد نے جب معاویہ اور اس جیسے دوسرے افراد کو انتخاب کرنے کے لئے کہا تو مولیٰ نے بالکل صاف الفاظ میں فرمایا کہ :

" ماوجدت القتال القوم او الکفر بما جاء به محمد "

(المعیار والموزنہ / صفحہ ۱۳۶، انساب جلد ۱/ صفحہ ۲۳۶

الفتوح جلد ۲/ صفحہ ۲۶۶)

ترجمہ : "میرے پاس دو راستے ہیں یا اس قوم (قاسطین = ظالم) سے جنگ کروں یا رسول اکرمؐ کی رسالت کا انکار کر دوں ! "

ایک اور مقام پر امامؑ فرماتے ہیں کہ :

" امرت بقتال الناكثين والقاسطين والمارقين "

(انساب جلد ا صفحہ ۱۳۸)

ترجمہ : " مجھے پابند کیا گیا ہے کہ " عہد توڑنے والوں ظالموں اور دین سے منحرف لوگوں سے جنگ کروں ! "

امیر المومنینؑ کا یہ جملہ رسول خداؐ کی اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جس کی خبر آنحضرتؐ نے مولیٰ کو اپنی زندگی میں دی تھی اور تاریخ بھی مولیٰ کی تین گروہوں کے ساتھ جنگ کی شہادت دیتی نظر آتی ہے۔

مختصر یہ کہ امامؑ کے نزدیک اندرونی نقائص کے دور کرنے کو بیرونی نقائص کے دور کرنے پر اولویت حاصل تھی اور مولیٰ کا یہ عمل آپ کے بعد دین کا ایک بنیادی اصول بن گیا کہ اندرونی فتنہ وفساد کے خاتمے کو ترجیح دی جائے۔

فکری جمود ایک سماجی مصیبت

جنگ صفین میں بارہ ہزار افراد حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں ایسے تھے جن کو تاریخ میں خوارج کے نام سے پہچانا جاتا ہے ان کا نام خوارج اس لئے پڑا کہ ان لوگوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے

میں نظام امامت سے بغاوت کی تھی۔

بغاوت کے بعد ان لوگوں نے اپنے لئے نئے سرے سے بالکل مختلف قسم کے اصول وعقائد بنائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ جو کوئی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا وہ مرتد و کافر ہوگیا۔ ان کے عقائد نہ ہی مسلمانوں کے کسی دوسرے گروہ سے مطابقت رکھتے تھے اور نہ ہی انسانی زندگی میں قابل عمل تھے لہذا یہ لوگ امام علیؑ کے بعد آنے والی ہر حکومت سے بھی بر سر پیکار رہے اور یہاں تک کہ زمین سے ان کے نام ونشان مٹ گئے بلا شبہ ان خشک قسم کے عقائد کا انجام یہی ہونا تھا۔

آیئے دیکھیں فکری جمود۔ کیا مصیبتیں ڈھاتا ہے ؟

خوارج اسلام کے احکامات پر ظاہری طور سے سخت پابند تھے لیکن ان کے پیچھے پنہاں مقصد اور فکری تربیت سے مکمل طور پر ناواقف تھے انہوں نے عقل کو اپنی زندگی میں وہ مقام نہیں دیا تھا جو ایک انسان کو دینا چاہئے وہ چہرے کا صرف ایک ہی رخ دیکھ رہے تھے اور اسلام کا مکمل مفہوم اسی کو تصور کر رہے تھے جب کہ دوسرا رخ ہی بنیادی حیثیت کا حامل تھا ان کو اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ ان احکامات کا بنیادی فلسفہ کیا ہے ؟ عقل وفہم اور غور وفکر نام کی کوئی چیز ان کی لغت میں نہیں تھی۔

ہماری زندگی میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ جن کو اگر استعمال نہ کیا جائے تو وہ بے کار ہو جاتی ہیں اور عقل ان چیزوں میں سے ہے کہ

جس کو اگر استعمال نہ کیا جائے تو وہ بہت تیزی سے زنگ آلود ہوتی ہے۔

ملاحظہ کیجئے :

صفین کا میدان ہے عالم محشر کا منظر ہے جنگ کو کئی مہینے گزر چکے ہیں دشمن کے پیر اکھڑ چکے ہیں مالک اشتر اٹھتی ہوئی طوفانی موجوں کی مانند آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں، دشمن کا ہیڈ کواٹر تلواروں کی زد پر ہے موت ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آرہی ہے۔ ڈوبتے ہوئے فتنے کو امید کی ایک کرن نظر آئی!

جی ہاں! امید پر دنیا قائم ہے دشمن نے مد مقابل کی کمزوری سے بھر پورا فائدہ اٹھایا، ایک شور و غل سا اٹھا اور لَاحُکْمَ اِلاَّ لِلّٰہِ کی آوازیں سنائی دینے لگیں، ساتھ ہی تلواروں پر قرآن نظر آنے لگے، دشمن کا تیر نشانہ پر بیٹھا مولائے کائنات سمجھ گئے کہ کیا ہونے والا ہے دشمن کا یہ وار صرف امامؑ کی ہی سمجھ میں آسکا، آپؑ فرماتے ہیں کہ

"کلمة الحق ویراد بها الباطل"

یقیناً یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ حکم ہے تو خدا کا اور حاکمیت ہے تو صرف خدا کی لیکن یہ لوگ اس بات سے جو کچھ ارادہ کر رہے ہیں وہ حق نہیں بلکہ ایک خیال باطل ہے کیوں کہ حکم خدا تو ایک بے زبان چیز کے ذریعے نافذ نہیں ہو سکتا حکم خدا کو خواہ نہ خواہ کسی انسان کو نافذ کرنا پڑے گا جب کہ قرآن تو زبان نہیں رکھتا اور " لاحکم الا للہ " تو صرف جنگ روکنے اور ایک یقینی شکست سے بچنے کے لئے بہانہ ہے!

مولاؑ کے اس جوابی حملہ کے بعد بھی خوارج کے بات سمجھ میں نہیں آئی اور پلٹ کے کہنے لگے کیا ہم قرآن کے مقابلے میں جنگ کریں!
ہم تو قرآن کریم کی حفاظت کے لئے جنگ کر رہے تھے اب قرآن ہمارے درمیان آگیا ہے اب جنگ کیسی ؟

آپ نے دوبارہ ان کی عقلوں پہ چوٹ کرتے ہوئے فرمایا :

" هذا قرآن صامت وانا قرآن ناطق "

یعنی یہ کہ " یہ بے زبان قرآن ہے اور میں ایک زندہ قرآن ہوں" دوسرے الفاظ میں مولا فرمارہے ہیں کہ اگر شریعت باقی رہ سکتی ہے اور خدا کا حکم نافذ ہو سکتا ہے تو وہ میرے وجود ہی سے ممکن ہے کیونکہ میں وقت کا امامؑ ہوں، رسولؐ کا سچا جانشین ہوں اور میری زندگی بولتا ہوا قرآن ہے لہذا تم لوگ بغیر کسی جھجک کے آگے بڑھو اور ان لوگوں کو تہس نہس کردو!

ایک اہم اصول :

اسلام کا ایک اصول ہے وہ یہ کہ جب دو کام انسان پر واجب ہوں لیکن ان میں سے ایک زیادہ اہم ہو تو اگرچہ دونوں کام اس پر واجب ہیں اور ان کا انجام دینا ضروری ہے لیکن کیونکہ دونوں کاموں کو ایک ساتھ انجام نہیں دے سکتا اس لئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو حکم زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس کو انجام دے اور دوسرے واجب کام کو ترک کردے

اس طرح سے کہ جیسے یہ دوسرا کام اس پر واجب ہی نہیں رہا ہو !البتہ اگر دونوں کام انجام دینا کسی کے لئے ممکن ہو تو ان دونوں کو انجام دینا واجب ہے۔

مثال :

ایک شخص سمندر کے کنارے ٹہل رہا ہے اسے اچانک یاد آیا کہ اس نے نماز نہیں پڑھی اور نماز قضا ہونے میں صرف اتنا وقت ہے کہ وہ اپنی پوری نماز پڑھ لے گا لیکن جب وہ ساحل سمندر پہ وضو کے لئے بیٹھتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک انسان پانی میں ڈوبنے والا ہے اب یہاں پر ایک طرف تو نماز پڑھنا اس پر واجب ہے اگر فوراً نماز نہیں پڑھتا تو قضا ہو جائے گی اور یقیناً یہ کام خدا کے غضبناک ہونے کا باعث ہے دوسری طرف اس کا ضمیر اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ایک انسان کو ڈوبتا ہو دیکھے اور اس کی جان نہ بچائے جب کہ وہ اچھی طرح تیرنا جانتا ہے اور اس کی جان بچا سکتا ہے ! یہاں پر کیوں کہ ایک انسان کی جان کی قیمت زیادہ ہے اس لئے جان بچانا واجب ہے اور نماز قضا بجا لانا ضروری ہے۔

اسلام ایک متحرک نظام اور زندہ فکر

اسی طرح جنگ صفین میں ایک طرف تو کتاب اللہ یعنی قرآن شریف کی جلد اور اس کے اوراق کی حرمت کی وجہ سے یقیناً اس کا احترام

واجب تھا لیکن دوسری طرف اس سے زیادہ اہم مسئلہ اسلامی حکومت اور اس کے نظام کی بقاء کا سوال تھا، دشمن نے یہ حربہ اسی لئے استعمال کیا تھا کہ اس کے ذریعے اپنے ناجائز مقاصد حاصل کرے۔ اگرچہ اسلام جیسے زندہ فکر اور متحرک نظام کے سامنے یہ حربہ بے کار تھا لیکن خوارج جیسی فکر رکھنے والے لوگ کسی معاشرے کے لئے ناسور سے کم نہیں۔

بہر حال ان سب باتوں کے باوجود یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہ آئے اور تلواریں سونت کر امامؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر مالک اشتر کو فوراً محاذ جنگ سے واپس نہ بلایا گیا اور جنگ نہ روکی گئی تو ہم آپ کے بدن کے ٹکڑے کردیں گے اب چونکہ مصلحت اسی میں تھی کہ علیؑ زندہ رہیں اور ان تمام مشکلات کے ہوتے ہوئے معاشرے کی ہدایت فرمائیں لہذا بادل ناخواستہ مالک اشتر کو پیغام دیا کہ جنگ سے ہاتھ کھینچ لیں اور واپس آجائیں مالک نے مولاؑ سے اجازت چاہی کہ اگر کچھ مہلت دی جائے تو دشمن کی ہائی کمان کا کام تمام ہے مولا نے دوبارہ پیغام دیا کہ مالک اگر اپنے مولا کو زندہ دیکھنے کی آرزو رکھتے ہو تو پلٹ آؤ لہذا مالک دل پر پتھر رکھ کر فوراً پلٹ آتے ہیں۔

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی یہ لوگ کہتے ہیں کہ جنگ کے دونوں حریف اپنی اپنی طرف سے ایک ایک نمائندہ کا انتخاب کریں جو حکم ہوں گے اور یہ دونوں مل کر جو فیصلہ کریں گے وہ جنگ کا آخری فیصلہ

ہو گا، امامؑ عالی مقام اس بات کے لئے قطعاً تیار نہ تھے لیکن خوارج کی ضد پر مجبوراً خاموش ہونا پڑا جب نمائندہ انتخاب کرنے کا وقت آیا تو حضرت علیؑ نے مالک اشترؓ اور ابن عباسؓ کے نام دیئے لیکن ان ناسمجھ لوگوں نے دونوں ناموں کو رد کر دیا اور کہا کہ ایک غیر جانبدار شخص ہونا چاہئے اور ابو موسیٰ اشعری کا انتخاب کیا جبکہ اس شخص کے تعلقات مولا سے پہلے ہی سے خراب تھے۔ دوسری جانب سے عمرو عاص نمائندہ کے طور پر منتخب کیا گیا مختصر یہ ہے کہ دونوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ دونوں باری باری منبر پر جائیں گے اور اپنے اپنے خلیفہ کو خلافت سے معزول کر دیں گے اور اس کے بعد مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ آپس میں صلاح و مشورے سے اپنے لئے خلیفہ چنیں لیکن عمر عاص نے ہوشیاری کے ساتھ ابو موسیٰ کو پہلے اظہار نظر کی دعوت دی جب اس نے علیؑ کو خلافت سے معزول کرنے کا اعلان کر دیا تو اس کے بعد عمرو عاص نے منبر پر جا کر کہا کہ جیسا کہ آپ لوگوں نے ابو موسیٰ کا فیصلہ سن لیا ہے میں بھی علی کو خلافت سے معزول کرتا ہوں اور معاویہ کو خلافت کے لئے منصوب کرتا ہوں۔

اتنا کہنا تھا لوگوں میں ایک قیامت برپا ہوگئی، لوگ ابو موسیٰ کو مارنے کے لئے دوڑے لیکن وہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔

خوارج کی کج فکری

یہاں پر خوارج کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن اسے زبان پر نہ لائے اور گول مول کر گئے یا شاید اس قدر جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے کہ اپنی غلطی کو بھی علیؑ کی غلطی تصور کر رہے تھے !! اس قسم کی کج فکری ہمیں زندگی کے عام مسائل میں کثرت سے ملے گی، مثال کے طور پر ایک استاد اپنے شاگرد سے کہتا ہے کہ یہ کام مت کرو لیکن اس ناسمجھ شاگرد کے ذہن میں کہیں سے یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جو یہ سوچ رہا ہے وہی صحیح ہے۔ اور جب یہ کسی سخت مشکل میں پھنس جاتا ہے تو استاد سے آکر جھگڑا کرتا ہے کہ آپ بڑے تھے، آپ نے کیوں ہم کو اس کام سے منع نہیں کیا' اب استاد لاکھ کہتا رہے کہ تمہیں کتنی دفعہ بتایا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن تم اپنی سوچ تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں تھے تو شاگرد کہتا ہے۔ نہیں آپ کو میرا ہاتھ پکڑ کر روک دینا چاہئے تھا اور ایسا کرنا چاہئے تھا ویسا کرنا چاہئے تھا بتایئے بھلا اب اس نادانی کا کیا علاج ہے۔ آئمہ سے منقول ہے کہ ہر چیز کا علاج ہے لیکن جہالت و نادانی کا کوئی علاج نہیں!

اس موقعے پر خوارج اپنی غلطیوں پر نادم ہونے کے بجائے کیا کہتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ:

ہم نے اپنے جیسے انسانوں کی حاکمیت کو مان کر غلطی کی اور غیر خدا کو

حاکم قرار دینا کفر ہے حکم صرف خدا کا نافذ ہے یعنی " لاحکم الاالله یہ بات کہتے جاتے تھے اور استغفر الله پڑھتے جاتے تھے اس حالت میں حضرت علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہتے ہیں کہ آپ کو بھی توبہ کرنا پڑے گی ، امیر المومنینؑ جواب میں فرماتے ہیں کہ حکم قرار دینا ایک غلط عمل تھا اور تم لوگوں نے اسے انجام دیا لیکن یہ کفر نہیں ہے ان لوگوں نے زور دیا کہ آپؑ کو توبہ تو ہر حال میں کرنی پڑے گی۔

آپؑ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ :

جو کام میں نے نہیں کیا کیوں اس کی توبہ کروں تو اس پر ان نادانوں نے علیؑ کے کفر و مرتد ہونے کا حکم صادر کر دیا" نعوذ بالله من ذالك "

خوارج کی مقدس مآبی

خوارج کی شکل و صورت سے پتا چلتا تھا کہ یہ لوگ بہت سخت کوش اور ریاضت کش ہیں۔ ان کی پیشانیاں کثرت سجدہ کی وجہ سے زخمی ہونے کے بعد سیاہ پڑ گئیں تھیں۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں اونٹ کے پیر کے تلوؤں کی طرح سخت ہو گئیں تھیں۔ بلاشبہ یہ چیزیں ایسی ہیں جن کو دیکھ کر کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہی وجہ تھی کہ جب حضرت علی علیہ السلام نے ابن عباسؓ کو

بھیجا کہ خوارج کو وعظ و نصیحت کریں تو ابن عباس ان لوگوں کا حلیہ دیکھ کر گھبرا گئے اور کچھ کہے بغیر پلٹ آئے اور آکر مولا سے کہتے ہیں کہ مولیٰ آیئے چلیں ان لوگوں کو نصیحت کرنا ہم لوگوں کے بس کی بات نہیں کیونکہ ان لوگوں نے سر سے کفن باندھا ہوا ہے اور ان کے چہروں سے چٹان جیسی سختی جھلک رہی ہے۔ اس کے بعد مولاؑ نے مالک اشتر کو نصیحت کرنے کے لئے بھیجا لیکن وہ بھی نصیحت نہ کر سکے اور واپس آگئے اب امیر المومنینؑ خود تشریف لے جاتے ہیں اور اس انداز میں وعظ و نصیحت فرماتے ہیں کہ پتھر بھی موم ہو جائیں ۔ پھر بھی بارہ ہزار میں سے چار ہزار تو جنگ کرنے سے باز آجاتے ہیں۔

لیکن بقیہ آٹھ ہزار ٹس سے مس نہیں ہوتے اور حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ کو ہی ترجیح دیتے ہیں آخر کار مولائے کائنات اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھ مارے جاتے ہیں۔

بہر حال یہ ایک سچی حقیقت ہے جسے آپؑ نے تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمایا: آیئے اب ذرا اپنے معاشرے کا بھی ایک جائزہ لیں۔

جب ہم تاریخِ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں اور پھر مختلف اسلامی معاشروں کی تہذیب و تمدن کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آج بھی اسلام مظلوم ہے' قرآن مظلوم ہے رسولِ خداؐ اور آئمۂ طاہرینؑ، مظلوم ہیں آج بھی حقیقت میں کربلا اور امام حسینؑ مظلوم ہیں! اس لئے نہیں کہ بیگانوں نے ان ہستیوں پر ظلم و شدت کی انتہا کر دی اور ان کو شہید کر

ڈالا بلکہ دردناک بات یہ ہے کہ اپنوں نے انہیں اس طرح نہیں پہچانا جو پہچاننے کا حق ہے!

دشمن سے انسان کو کبھی اچھی توقع نہیں ہوتی لیکن دوست سے لوگ جو توقعات رکھتے ہیں اسے سب اچھی طرح جانتے ہیں اور سب سے بڑی مظلومیت یہی ہے کہ کوئی اٹھتے بیٹھتے دوست کا نام لے، یا علیؑ مدد کہے لیکن دوست جب مدد کو پکارے تو مدد کے معنی ہی نہ سمجھتا ہو! حضرت علیؑ جس طرح اپنے زمانے کے لوگوں سے چاہتے تھے کہ حق کا ساتھ دیں اور باطل سے کنارہ کشی اختیار کریں چاہے وہ کسی بھی شکل میں سامنے آئے چاہے دوست ہو یا بھائی ہو پوری زندگی کا معیار حفاظت اسلام ہونا چاہیے۔ بالکل اسی طرح امیر المومنینؑ آج ہم سے بھی مخاطب ہیں فرق صرف اتنا سا ہے کہ آج وہ جسمانی لحاظ سے ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن روحانی لحاظ سے تو موجود ہیں ان کی زندہ شخصیت آج بھی اسلامی تعلیمات کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہے اب سوال یہ ہے کہ حفاظتِ اسلام کیسے ممکن ہے؟ تو اس کا سادہ سا جواب ہے وہ یہ کہ اسلام کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں اس کے ماہرین کے ذریعے لیکن مزاج کی گرمی سے نہیں بلکہ غور فکر کے ساتھ۔

اس مثال! کے ذریعے بات زیادہ واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے، یہ کہ میں اپنے کسی دوست کو دل وجان سے عزیز رکھتا ہوں لیکن مجھے اس کے گھر کا پتہ معلوم نہیں تو اب اگر میں اس کی جدائی میں گریہ و

زاری کروں یا خوشی سے نعرے لگاؤں کہ اے دوست میں تجھے دل وجان سے عزیز رکھتا ہوں تو کیا میں اس تک پہنچ جاؤں گا؟ نہیں یقیناً نہیں پہنچ سکتا بلکہ تا قیامت اس کے گھر پہنچنا ممکن نہیں مگر یہ کہ سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے اس کا صحیح پتہ معلوم کروں اور عملی طور سے اس کے گھر کی جانب روانہ ہو جاؤں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آئمہؑ اور قرآن کے پاس جو رفتار و کردار کا معیار ہے اور سوچنے سمجھنے کا انداز ہے آج کا اسلامی معاشرہ اس سے مختلف بلکہ بہت مختلف ہے اور اس دور کی سب سے بڑی اور نمایاں اسلام شناس شخصیت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ بھی ایک موقع پر افسوس کے ساتھ اپنے تاثرات کا اظہار اس انداز میں کرتے ہیں کہ :

اب بھی اسلام کو مکمل طور پر نہیں سمجھا گیا اور اس کے بہت سے احکام اب تک صرف ایک جامد اور بے جان عمل تک ہی محدود ہیں جیسے حج جس کے لئے ایک مسلمان شخص ایک طویل سفر کی تکالیف اٹھاتا اور اس کے لئے اپنا قیمتی مال اور وقت خرچ کرتا ہے لیکن اس بات کی جستجو نہیں کرتا کہ اس عمل کے پیچھے کون سا اتنا اہم اور تربیتی پہلو ہے جسکی وجہ سے خدا یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اتنی سخت مشقتیں برداشت کریں۔

قرآن واہل بیتؑ سے فکری و عملی روابط کی ضرورت

آج یہ جو ہمارے معاشرے اور اسلام کے انداز فکر میں فرق ہے۔
اس کی وجہ سے ہے کہ اہل بیت علیھم السلام اور قرآن سے ہمارا جذباتی لگاؤ

تو بہت گہرا ہے لیکن فکری و عملی تعلق اتنا گہرا نہیں جتنا گہرا ہونا چاہئے تھا۔

یہ تعلق گہرا نہ ہونے کی وجہ کیا ہے ؟ وجوہات تو بہت سی ہیں لیکن ان میں سے اہم ترین وجوہات انسان کا اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق اسلام کو سمجھنا اسلام کے بارے میں ناقص معلومات بالخصوص آئمہؑ کی سیرت عملی سے ناواقفیت اور سب سے زیادہ اہم وجہ یہ ہے کہ معاشرے کے لوگ دینی معلومات کو جس طرح سنتے ہیں اسی طرح ذہن نشین کر لیتے ہیں اور اس کے بارے میں سوچنے اور غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں بغیر تصدیق کے دوسروں تک بھی پہچا دیتے ہیں اور یہی سب سے بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ معاشرے کے افراد کو جو کچھ معلومات دین کے حوالے سے پہنچتی ہیں اس کے ذرایع میں علماء دین ذاکرین اور گھر کے بڑے بزرگ سر فہرست ہیں ان میں سے کوئی بھی معصوم نہیں لہذا ممکن ہے کہ دین کی باتوں کو نقل کرنے میں غلطی کریں یا اگر کسی معصوم کے ذریعے بھی ایک عام انسان بات کو سنتا ہے تو یقیناً معصوم نے دینی معلومات بیان کرنے میں غلطی نہیں کی لیکن کیا پتہ یہ سننے والے نے صحیح طرح سے سمجھنے کی کوشش کی ہے یا نہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں :

كلمة الحق ويراد بها الباطل

یعنی یہ کہ جنگ صفین میں جو دشمن نے قرآن کو تلوار پر بلند کیا اور لا حکم الا للّٰہ کے نعرے لگانے شروع کر دیئے تو یہ بات بالکل

ٹھیک ہے کہ خدا کے سوا کسی کا حکم جاری نہیں ہو سکتا اور اسلام بھی یہی چاہتا ہے اگر چہ خوارج اس حکم کو جانتے تھے لیکن اس کو سمجھنے اور اس کے بارے میں غور و فکر کرنے کی کوشش نہیں کی لہٰذا اتنے حساس موقع پر دھوکا کھا گئے تب ہی مولا فرماتے ہیں کہ بات اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس کے ذریعے ایک غلط اور باطل بات کو حق کا لباس پہنا کر اپنے ناپاک مقاصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

حق و باطل کی پہچان

امیر المومنینؑ حق و باطل کی پہچان کے لئے ایک قانون بیان فرما رہے ہیں کہ "یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔" یعنی یہ کہ بولنے والے کی بات کو غور سے سنو اور اس کے اوپر اچھی طرح سوچو کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس کی مراد کیا ہے اور یہ کہ خدا نے تمہیں سوچنے اور سمجھنے کی جو طاقت عطا فرمائی ہے اس کے ذریعے تم صحیح اور غلط چیز کے درمیان فرق کو پہچان سکتے ہو لیکن اس کی شرط غور و فکر کے صحیح اور مکمل مراحل طے کرنا ہے اسی لئے احادیث میں انسان کی عقل کو پیغمبر باطن کہا گیا ہے! لہذا جب بھی انسان کو اسلام کے حوالے سے کسی بھی قسم کی معلومات کہیں سے بھی حاصل ہوں تو اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا ضروری ہے جو ناخالص آٹے کے ساتھ کیا جاتا ہے تاکہ بھوسی اور خالص آٹے کو الگ کیا جا سکے اور ایسا نہ ہو کہ ناخالص آٹا معدے میں جا کر اس کے نظام ہاضمہ کو خراب کر دے کیونکہ

انسان کی جسمانی صحت و تندرستی کا دارو مدار ہاضمے کی صحت پر ہے اور اگر ہاضمہ خراب ہو جائے اور اس کا جلد ہی علاج نہ کیا جائے تو روز بروز صحت گرتی جائے گی یہاں تک کہ موت کا خطرہ لاحق ہو جائے گا۔

بالکل اسی طرح انسان کی پوری زندگی کا دارو مدار اس کے ذہنی توازن پر ہے اگر ذہن کو متوازن اور مناسب معلومات ، مذہب کے حوالے سے فراہم نہ ہوں اور ہر خالص اور نہ خالص معلومات ، کو ذہن میں بغیر سوچے سمجھے ذخیرہ کر لیا جائے تو انسان کے ذہنی طور پر گمراہ ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کہ انسان اپنی زندگی میں جو بھی فیصلہ کرتا ہے یا کسی شخص یا چیز کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتا ہے وہ ان معلومات کی مدد سے ہی کرتا ہے جو اس کے ذہن میں موجود ہیں !

مثال کے طور پر ایک شخص کسی سے نشتر پارک کا پتہ پوچھتا ہے بتانے والا اس کو مارٹن روڈ کا پتہ بتاتا ہے یہ شخص بتائے ہوئے پتہ کی جانب تیزی سے چلنا شروع کر دیتا ہے ظاہر سی بات ہے کہ یہ جتنی تیزی سے حرکت کرے گا اتنا اپنی اصل منزل سے دور ہوتا چلا جائے گا وہیں پر ایک دوسرا شخص کسی سے نشتر پارک کا پتہ پوچھتا ہے بتانے والا اس کو پتہ بتاتا ہے اب یہ شخص غور کرنا شرع کرتا ہے کہ میں اس شخص کو نہیں جانتا جس نے مجھے پتہ بتایا ہے اور یہاں پر کوئی ایسی معقول وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ جس کی بنا پر میں یہ کہوں کہ اس شخص نے غلط پتہ بتایا ہے لیکن اگر اس شخص نے غلط پتہ بتایا ہو یا خود اس جگہ آج تک نہ

گیا اور کسی کی زبانی سنا اور اسی کو نقل کر دیا ہو اور جب کہ وہ پتہ غلط بھی ہو تو یقیناً میں اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکوں گا یہ سوچ کر وہ دو چار لوگوں سے اور پتہ پوچھتا ہے اور اس طرح صحیح منزل کا پتہ اس کو مل جاتا ہے۔

ایک مثال مذہب کے حوالے سے بھی عرض کرتا چلوں وہ یہ ہے کہ مظلوم کی مظلومیت پر اظہار غم انسان کی طبیعت کا حصہ ہے اس کے باوجود احادیث میں امام حسینؑ پر آنسو بہانا اور اگر آنسو نہ جاری ہوں تو غم زدہ اور رونے کی صورت بنانا بھی بہت اجر و ثواب کا باعث ہے کیا اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ آنے والی تمام قومیں صرف ان کے مصائب کو یاد کر کے روتے رہیں بس! کیا مقصدِ شہادت اتنا معمولی ہوا کرتا ہے ؟؟؟ ایک عام سپاہی کی موت بھی اس سے بڑے مقصد کے لئے واقع ہوتی ہے چہ جائیکہ امام حسین علیہ السلام جیسی آگاہ شخصیت!

تو نتیجہ یہ نکلا کہ اگر انسان کسی مسئلہ میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے تھوڑا سا سوچ سمجھ لے تو گمراہی سے بچ جائے گا۔